اکتوبر ۲۰۰۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ان شاء اللہ العزیز
رفقائے تنظیم اسلامی کا سالانہ

کل پاکستان اجتماعِ عام

7 تا 9/اکتوبر 2004ء (بروز جمعرات' جمعہ' ہفتہ)
فردوسی فارم سادھو کے میں منعقد ہو گا

☆ اجتماع کا آغاز 7/اکتوبر (جمعرات) 4 بجے سہ پہر ہو گا اور یہ 9/اکتوبر (ہفتہ) نماز ظہر تک جاری رہے گا۔

☆ اس اجتماع میں تمام ملتزم و مبتدی رفقاء شریک ہوں گے۔

المعلن: مرزا ایوب بیگ' ناظم سالانہ اجتماع
N-866 پونچھ روڈ' سمن آباد فون: 7520902-5784627
ای میل: lahore@tanzeem.org

ہفت روزہ **ندائے خلافت** کا

مسئلہ کشمیر نمبر

زیرادارت: سید قاسم محمود

اس خصوصی اشاعت میں جموں و کشمیر کی تاریخ کے پس منظر میں اس بین الاقوامی تنازعے کی تاریخ سال بہ سال اور اصل دستاویزات کے تراجم کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ نیز اکابرین کی آراء کی روشنی میں کشمیر کے دیرینہ اور سنگین مسئلے کے ممکنہ حل بھی پیش کئے گئے ہیں۔

o دیدہ زیب بامعنی ٹائٹل o 860 صفحات o قیمت 50 روپے

مکتبہ خدام القرآن K-36' ماڈل ٹاؤن لاہور

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد: 53

شمارہ: 10

شعبان المعظم 1425ھ

اکتوبر 2004ء

فی شمارہ -/15

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مجلس ادارت

حافظ عاکف سعید

سید قاسم محمود

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 150 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 800 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون 03-5869501

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ______

حافظ عاکف سعید

✿ **دعوت رجوع الی القرآن** ______ 5

قرآن حکیم سے ہمارے حجاب کے اسباب

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **دعوت و تحریک** ______ 26

○ حزب اللہ اور حزب الشیطان

خالد محمود عباسی

○ دعوتِ دین اور داعی کا طرزِ عمل ______ 51

مسز سید شکیل احمد

✿ **یاد رفتگاں** ______ 55

نعیم صدیقی مرحوم ...... ماضی کے جھروکوں سے

قاضی عبد القادر

✿ **بحث ونظر** ______ 69

جناب راشد شاز کے جواب میں

مولانا ثمیر الدین

✿ **افکار و آراء** ______ 76

○ محترم ڈاکٹر صاحب کے خطباتِ خلافت کی روشنی میں

○ ایک رفیق تنظیم کو رات کا راہب اور دن کا مجاہد ہونا چاہئے!

✿ **عالم اسلام** ______ 83

ایران (۳)

سید قاسم محمود

❁ ❁ ❁

عرضِ احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر......

ہر دردمند پاکستانی مسلمان کے لئے موجودالوقت حالات میں ہر گزرنے والا لمحہ نہایت اعصاب شکن اور یاس انگیز ہے کہ ''میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا'' کی مانند ہماری نگاہوں کے سامنے ہمارے ہی ''محافظوں'' کے ذریعے ہمیں اپنی دینی اقدار، اپنے اسلامی تشخص، اپنی باحیا تہذیب، اپنے بامقصد نظریاتی نصاب، جمہوری اقدار اور اپنی خودمختاری و آزادی سے محروم کیا جا رہا ہے اور پوری قوم بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ ہم ایک داستانِ مسلسل کے آخری ابواب میں داخل ہو چکے ہیں، جس کا آہنگ پہلے قدرے دھیما تھا لیکن نائن الیون کے بعد سے اس کی تیزی بڑھتی جا رہی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کی پوری تاریخ جو صرف ۵۷ برسوں پر محیط ہے، بحرانوں اور پیچ در پیچ الجھنوں ہی کی داستان ہے۔ اس کی مرثیہ خوانی اور نوحہ سرائی پر وقت اور صفحات صرف کرنے کی بجائے صورتحال کے درست تجزیئے، اسباب کے تعین اور مثبت حل کی طرف توجہ دینا زیادہ مفید ہوگا، اس لئے کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہم بحیثیت قوم ایک ایسے بھنور اور منحوس چکر (Viscious Circle) میں گرفتار ہیں جس سے نکلنے کی تمام قابلِ ذکر اجتماعی کوششیں تادمِ تحریر ناکام ثابت ہوئی ہیں۔

''گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر، بھنور ہے تقدیر کا بہانہ''۔

ہمارے نزدیک حالات کا تجزیہ کچھ یوں ہے:

ا) یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان دوقومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ ہندو قوم کے مقابلے میں اپنے لئے علیحدہ ملک یعنی پاکستان کا مطالبہ کرنے والی قوم کا نام ''مسلمان'' اور اس کے نظریئے کا نام ''اسلام'' ہے ـــــ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ برعظیم پاک و ہند کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں نے رو رو کر پاکستان کے لئے دعائیں

مانگیں اور مسلم لیگ کی چوٹی کی قیادت نے ایک مثالی فلاحی اسلامی ریاست کو اپنی منزل اور قرآن حکیم کو اپنا دستور قرار دیا۔ بانیٔ پاکستان کے بیسیوں بیانات اس امر کے شاہد ہیں۔ گویا اللہ سے ہمارا یہ وعدہ تھا کہ اگر ہمیں الگ خطہ زمین عطا ہو جائے تو ہم اسے ایک مثالی اسلامی ریاست اور اسلام کا قلعہ بنائیں گے۔

ii) لیکن قیامِ پاکستان کے بعد ہم مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی اپنی اصل منزل یعنی اسلام کی طرف پیش قدمی کرنے اور ''دوقومی نظریۓ'' کے لازمی منطقی تقاضے یعنی اسلامی تعلیمات اور اقدار کو ترویج دینے اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو ملک میں نافذ و قائم کرنے کی بجائے انگریز کے چھوڑے ہوئے غیر اسلامی نظام کو ہر سطح پر تحفظ دیا اور اپنی اصل منزل اور اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدے کو بھول کر دنیا پرستی اور مفاد پرستی کی دوڑ میں شریک ہو گئے' حالانکہ ہندو اور انگریز کی دوہری غلامی سے آزادی ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا حق شکر ادا کرنے کے لئے بھی یہ لازم تھا کہ ہم ''مملکتِ خداداد پاکستان'' میں اللہ کے دین کو قائم اور اس کی عطا کردہ شریعت کو نافذ کرتے۔

iii) ہماری نااہلی اور غیروں کی عیاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیام پاکستان کے چند سال بعد ہی ملک شدید سیاسی انتشار کا شکار ہوا' جس کا نتیجہ بالآخر مارشل لاء کی صورت میں ظاہر ہوا۔ گویا ملکی نظام کو صحیح رخ پر چلانے کے لئے جن صحت مند سیاسی جمہوری اقدار کی ضرورت تھی' انہیں آہنی ہتھوڑے سے پاش پاش کر دیا گیا۔ (واضح رہے کہ پاکستان کا وجود پہلے روز سے امریکہ کی گردن پر آسیب کی طرح سوار یہودی کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ ملک کی سیاسی گاڑی کو دستور و آئین کی پٹڑی سے اتار کر فوجی آمریت مسلط کرنا یقینی طور پر امریکی سازش کا شاخسانہ تھا۔ یہی سازش آج اپنے نقطۂ عروج پر ہے اور یہود و نصاریٰ کا بھی گٹھ جوڑ آج روئے زمین سے اسلام کو مٹانے کے درپے ہے)

iv) نظریہ اسلام سے بے وفائی' اللہ کے ساتھ کی گئی وعدہ خلافی اور کفرانِ نعمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ گئی بلکہ ہم اللہ کے عتاب کا شکار ہوئے' جس کے

چند مظاہر حسب ذیل ہیں:

☆ ملک پہلے سیاسی بحرانوں کی لپیٹ میں آیا اور پھر معاشی بحران بھی ہمارا مقدر بن گئے اور ہم عملاً آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے غلام بن کر رہ گئے۔

☆ وہ ایک مسلمان قوم جس نے مل جل کر آزادی کی جدوجہد کی تھی' کئی قومیتوں میں بٹ گئی۔ اسلامی اخوت و یگانگت کی جگہ صوبائی' علاقائی اور فرقہ وارانہ منافرتوں کی خاردار جھاڑیوں کی ہر چہار سُو بھرمار ہو گئی۔

☆ پاکستان کی اصل منزل کو بھلانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم بے مقصدیت کا شکار ہو گئی' جس کا سب سے بڑا اور خوفناک مظہر یہ ہے کہ کئی قسم کے نظام ہائے تعلیم بیک وقت ملک میں رائج ہو گئے جو ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں باہم متصادم بھی ہیں۔

☆ تمام ملکی و قومی ادارے بدترین زوال و انحطاط کا شکار ہوئے۔ نئی نسل کا پاکستان پر سے اعتماد اُٹھ گیا۔ باصلاحیت افراد بڑے پیمانے پر پاکستان کو چھوڑ کر دیارِ غیر میں جا بسے۔

☆ اللہ سے بدعہدی کی سزا یہ ملی کہ قومی سطح پر اخلاق و کردار کا دیوالیہ ہو گیا —— ملّی و قومی مفاد کا تصور ذہنوں سے محو ہو کر رہ گیا۔ خودغرضی اور ذاتی مفاد پرستی قوم کا شعار بن گئی۔ کرپشن' جھوٹ' بددیانتی اور وعدہ خلافی کا زہر پوری قوم میں سرایت کر گیا۔

☆ اسلامی اقدار کو ترک کرنے کے نتیجہ میں ہم اپنے اسلامی تشخص کو بھلا کر ''وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود' یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود'' کی عملی تصویر بن گئے۔

(واضح رہے کہ معدودے چند افراد کو چھوڑ کر قوم کے خواص و عوام کی ایک عظیم اکثریت دین سے بے وفائی کی مرتکب ہوئی ہے' چنانچہ پوری قوم پر اللہ کی طرف سے ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط ہے)

۷) یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ۱۹۵۸ء سے لے کر آج تک ملک میں حقیقی جمہوریت

نہیں آ سکی۔ سوائے چند ایک سال کے' باقی پورا عرصہ یا تو فوج کی براہ راست حکمرانی رہی یا فوج کے تابع اور زیر سایہ نمائشی جمہوریت کا ڈرامہ! ـــــ یہ ایک تلخ لیکن نا قابل تردید حقیقت ہے کہ بظاہر جمہوری ادوار میں بھی سیاسی لیڈروں اور سیاسی جماعتوں کو ہماری فوج نے ہمیشہ مہروں کی طرح استعمال کیا اور جب چاہا بساط کو الٹ دیا۔ چنانچہ اصولی سیاست کی بجائے مفاد پرستانہ سیاست اور ''نمائشی جمہوریت'' ہی نے قومی شعار کا درجہ اختیار کر لیا۔ گویا فی الوقت ملک میں جمہوریت اور جمہوری اقدار کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں۔ اس کا واضح ثبوت حزب اختلاف کے ایک اہم لیڈر جناب امین فہیم کا یہ تازہ بیان ہے کہ ''اس ملک میں حقیقی جمہوریت تو اللہ ہی لا سکتا ہے۔''

vi) یہ بھی ایک نا قابل تردید اور سنگین حقیقت ہے کہ ہماری فوج جو ۱۹۵۸ء سے آج تک ملک کے ایوان حکومت پر براہ راست یا بالواسطہ قابض ہے' ہر اہم معاملے میں وہائٹ ہاؤس اور پینٹا گون کی طرف دیکھتی اور وہاں سے ''ہدایات'' حاصل کرتی رہی ہے ـــــ جس کا نقطۂ عروج جنرل مشرف کا دورِ حکومت ہے' جب امریکی مفادات کے تحفظ اور اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کے ناپاک عزائم کی تکمیل میں ان کے معاون بن کر ہم اپنے بے شمار اہم ملی و قومی مفادات کی قربانی دے چکے ہیں اور ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ پاکستان کے مفاد میں ہی کیا گیا ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے' اسے کیا کہئے!!

اوپر بیان کردہ حقائق اور تجزیئے کا حاصل یہ ہے کہ:

اس تہہ در تہہ بھنور کی گرہ اُس وقت تک نہیں کھل سکتی جب تک ان اسباب کا تدارک نہ کیا جائے جو اس ساری خرابی کا باعث ہیں ـــــ ہمارے تجزیئے کی رُو سے اس کا اصل سبب چونکہ نظریہ پاکستان یعنی ''اسلام'' سے عمومی بے وفائی جس کا ارتکاب خواص و عوام سبھی کی جانب سے ہوا ہے' اللہ کے ساتھ صریح بدعہدی اور ہمارا یہ اجتماعی جرم ہے کہ ہم نے اللہ کے عطا کردہ ملک پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور شریعت

الٰہی کے نفاذ سے مجرمانہ غفلت برتی ہے' لہٰذا اس گرہ کے کھلنے کا واحد حقیقی راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے ان جرائم کا تدارک کریں ـــــ یعنی قوم اجتماعی توبہ کرے' اپنا قبلہ درست کرے اور اپنی اصل منزل یعنی اسلام اور اسلامی نظام کی طرف سنجیدگی سے پیش قدمی شروع کر دے۔ افراد اپنی زندگیوں میں اسلام اور اس کی اقدار کو رائج کریں' اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کی اطاعت کو اولین ترجیح دیں' اسلامی تمدن اور شعار کو اپنائیں اور مل جل کر اس ملک میں غلبہ و اقامتِ دین کے لئے جدوجہد کریں۔ یہ واحد راستہ ہے جس پر عمل کے نتیجے میں ان شاء اللہ بھنور کی گرہ کھلنے کا آغاز ہو جائے گا۔ قوم کا ایک قابل ذکر حصہ اگر اس راستے پر آ جائے تو نہ صرف یہ کہ اللہ کی روٹھی رحمت ہمارے شامل حال ہو جائے گی بلکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کی نصرت و حمایت بھی حاصل ہو گی۔

اس معاملے میں اصلاح احوال کے لئے ضروری قدم اٹھانے کے حوالے سے اگرچہ ایک اعتبار سے سب سے بڑھ کر ذمہ داری حکمران طبقے پر عائد ہوتی ہے' لیکن ایک دوسرے پہلو سے سب سے بڑی ذمہ داری رجالِ دین' دینی طبقات اور دینی جماعتوں کی ہے ـــــ اسلام کے نام پر بننے اور نظریۂ اسلام پر قائم ہونے والے ملک میں دینی طبقات کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے ـــــ بالخصوص ایسے حالات میں جب کہ حکمران اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا نہ کر رہے ہوں' اصل ذمہ داری کا بوجھ دین کے علمبرداروں کے کاندھوں پر آتا ہے۔ قرآن و حدیث کی سچی تعلیمات کے ذریعے عوام کے دلوں میں ایمان و اسلام کی جڑوں کو گہرا کرنا' ان میں اپنے مسلمان ہونے اور اپنی دینی ذمہ داریوں کے شعور کو اجاگر کرنا' انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادۂ عمل کرنا' ان کے سینوں میں حقیقی ایمانی و دینی جذبات کا الاؤ دہکانا' ان میں اسلامی نظام کے قیام اور شریعت کے نفاذ کی حقیقی پیاس پیدا کرنا ـــــ نیز ''نہی عن المنکر'' کے حوالے سے قرآن کی معین کردہ ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے منکرات کی روک تھام کی خاطر عوام کی ذہن سازی اور تربیت کے لئے مؤثر اقدام کرنا' انہیں غلط کاموں' جھوٹی باتوں اور حرام کھانے سے منع کرنا' اور منکرات کے خلاف سیسہ پلائی

ہوئی دیوار بن جانا اور پھر قرآن کے انقلابی پیغام کے حوالے سے عوام کی ذہن سازی کا کام ایک ضروری حد تک مکمل کرنے کے بعد منکرات کے تدارک اور شریعت کے نفاذ کے لئے ایک بھرپور عوامی تحریک چلانا اور اس راہ میں قربانیوں کی ایک تاریخ رقم کرنا ــــ یہ ہے دینی جماعتوں اور مذہبی طبقات کا اصل کام ــــ اور اس کام کے لازمی تقاضے کے طور پر خود ذاتی طور پر بھی اسلامی کردار واخلاق کا ایک نمونہ اور ''قاری نظر آتا ہے' حقیقت میں ہے قرآن'' کی مجسم تصویر بن جانا ــــ یہ ہے رجال دین اور دین کے علمبرداروں کی اصل ذمہ داری!

آج کل ملک میں دینی جماعتوں کے سالانہ اجتماعات کے انعقاد کا موسم ہے۔ ملک کے ہر دردمند مسلمان سے ہماری اپیل ہے کہ وہ ہماری ان معروضات پر غور کریں' ہمیں یقین ہے کہ ملکی حالات کے اس تجزیئے کو وہ اپنے دل کی آواز محسوس کریں گے اور جس حل کی طرف ہم نے یہاں اشارہ کیا ہے اسے قرآن وسنت کی تعلیمات سے ہم آہنگ پائیں گے ــــ ہم ان دینی جماعتوں سے بھی جو ملکی انتخابی سیاست کے میدان میں سرگرم عمل ہیں' بصد ادب گزارش کرتے ہیں کہ وہ ''الیکشن' ممبری' کرسی' صدارت'' کے فریب سے خود کو بچا کر اس انقلابی منہاج کو اپنا لائحہ عمل بنائیں جو قرآن وحدیث اور سنت وسیرتِ رسول ﷺ سے ماخوذ ہے ــــ مسلمانوں کے لئے کامیابی خواہ وہ دنیا کی ہو یا آخرت کی' بہرصورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت میں مضمر ہے ــــ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ ــــ اللّٰهم وفّقنا لهٰذا

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قرآن حکیم

سے ہمارے

حجاب کے اسباب

رمضان المبارک کی ۲۷ویں شب' قرآن اکیڈمی لاہور میں

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا خطاب

احمدهٗ و اصلی علٰی رسوله الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴾ (حٰمٓ السّجدة:۵)

﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾

(بنی اسرائیل:۴۵'۴۶)

تلاوت آیات اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد:

آج میں خاص طور پر اس مسئلے پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم پر قرآن کی تاثیر نہیں؟ قرآن سن کر ہمارے دلوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا؟ کیا ہمارے اور قرآن کے مابین کوئی حجاب حائل ہے؟ سورۂ فُصّلت (حٰمٓ السجدة) میں کفارِ مکہ کا قول نقل ہوا ہے: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ ﴾ ''اور انہوں نے (اللہ کے رسول ﷺ سے) کہا: (اے محمد!) ہمارے دل پردوں اور غلافوں میں بند ہیں' اُن چیزوں کے اعتبار سے جن کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں'' ﴿ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ﴾

''اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے'' یعنی آپ کی بات ہمارے کانوں میں اترتی نہیں۔ ﴿ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ﴾ ''اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے'' ﴿ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۝ ﴾ ''پس تم جو چاہو کرلو' ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں''۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی بات کارگر نہیں ہوگی۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۝ ﴾

''اور (اے نبیؐ!) جب آپ قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے' ایک غیر مرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں''۔

اور فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾

''اور اُن کے دلوں کے اوپر پردے حائل کر دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں کے اندر ثقل اور بوجھ پیدا کر دیتے ہیں''۔

ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ کہیں آج اُمت مسلمہ ان آیات کی مصداق تو نہیں بن گئی ہے (معاذ اللہ)' کیونکہ قرآن کی اثر انگیزی کے بارے میں تو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ بے شمار واقعات ہیں کہ کئی لوگ وفد کی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ اس وفد کو جب قرآن سنایا گیا تو اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ نکلیں۔ قرآن کی تاثیر کا یہ عالم سورۃ المائدۃ میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے:

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۝ ﴾ (آیت ۸۳)

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے' ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔''

اسی طرح ایک وفد حبشہ سے آیا تھا' اس کا تذکرہ سورۃ القصص میں موجود ہے:

﴿وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ ......﴾ (آیت ۵۳)

''اور جب اُن پر (قرآن کی آیات) تلاوت کی گئیں تو وہ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے کہ یہ ہمارے ربّ کی طرف سے حق ہے''۔

جنات کے بارے میں بھی آیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ہی قرآن سن کر ایمان لے آئے:

﴿...... فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط﴾

(الجن: ۲'۱)

''......تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک خوبصورت قرآن سنا ہے' جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔''

صرف یہی نہیں کہ ایمان لائے ہوں بلکہ قرآن کے داعی اور مبلغ بھی بن گئے اور اپنی قوم سے جا کر کہا:

﴿یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ ......﴾ (الاحقاف: ۳۱)

''اے ہماری قوم! اللہ کی طرف پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ......''

قرآن کے پس منظر میں جانے کے اسباب

ایک طرف قرآن کی تاثیر کا یہ عالَم ہے اور ایک طرف ہم ہیں کہ قرآن سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس موضوع پر میرا ایک چھ صفحات پر مشتمل مختصر اور جامع مضمون میری کتاب ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'' میں ''قرآنِ حکیم قرنِ اوّل میں اور اس کے بعد'' کے عنوان سے شامل ہے۔ اس میں مَیں نے یہ بات بیان کی ہے کہ اسلام جب ایک تحریک کے دَور میں تھا' اُس وقت تحریک کو دعوت' جہاد اور قتال کے مراحل درپیش تھے' ابھی ریاست کی شکل نہیں بنی تھی' اس لئے اس مرحلے میں زیادہ زور ایمان اور قرآن پر تھا۔ لیکن جب اسلام نے ریاست کی شکل اختیار کر لی اور اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو اب قانون اور اسلام کی اہمیت زیادہ ہوگئی۔

چنانچہ ایک Natural shift of emphasis ہوا ہے' کیونکہ دعوت اور تحریک کے دَور میں ترجیحات کچھ اور ہوتی ہیں اور جب ایک اسلامی ریاست وجود میں آ جاتی ہے تو تقاضے بدل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ریاست کا ایک حدود اربعہ ہوتا ہے' دفاع ہوتا ہے' قانون ہوتا ہے' یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ کون مسلمان ہے' کون نہیں ہے؟ کس کے کیا حقوق ہیں؟ شہریت کے کیا لوازم ہیں؟ ان مسائل پر توجہ کے باعث یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ قرآن خود بخود ایک درجہ پس منظر میں چلا گیا۔ ہم نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کا ایک مضمون بھی شائع کیا تھا جس میں انہوں نے قرآن مجید کے پس منظر میں جانے کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہمارے ہاں بادشاہوں' جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے شعوری طور پر کوشش کی ہے کہ قوم کی توجہ قرآن سے ہٹ جائے۔ اس لئے کہ قرآن تو اُن کی مذمت کرتا ہے اور مستضعفین کی حمایت کرتا ہے۔ جیسے ارشادِ ہوا:

﴿اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ۝ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ۝﴾ (الھمزۃ:۲۔۴)

''جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشگی عطا کر دے گا۔ ہرگز نہیں' وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔''

اس لئے انہوں نے چاہا کہ لوگ صرف قرآن کی تلاوت کر لیا کریں' اسے سمجھا نہ کریں۔ سمجھیں گے تو ہماری تصویر سامنے آ جائے گی' ہمارے خلاف ردِّعمل پیدا ہوگا اور لوگ ہمارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ لہٰذا قرآن کو پس منظر میں جانے دو' بلکہ اس کو بالفعل پس منظر میں لے جانے کی کوشش کرو اور ان کی توجہ کسی اور شے پر لگا دو' انہیں تصوف کے راستے پر لگا دو' کسی علمی جدوجہد میں لگا دو' لیکن قرآن سے دُور رکھو۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے' یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے' جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' وہ فرماتے ہیں:

((حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ ' اَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِيْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ لَقُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ))(۱)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن بھر لئے تھے' ایک برتن میں سے تو میں نے تمہارے مابین خوب علم تقسیم کر دیا (عام کر دیا' تمہیں پڑھا دیا' سکھا دیا) لیکن اگر میں دوسرے برتن کے علم کو عام کروں تو میری یہ گردن اڑا دی جائے گی۔''

اسلام کا ایک علم عبادات کا علم ہے۔ یعنی وضو کا علم کہ وضو کیسے کیا جاتا ہے' وضو کیسے ٹوٹتا ہے' نواقض وضو کیا ہیں۔ اور طہارت کا علم کہ غسل کی حاجت کب ہوتی ہے' غسل کی شرائط کیا ہیں' غسل کے لوازم کیا ہیں' اس کے فرائض کیا ہیں۔ پھر نمازوں کے قواعد و ضوابط ہیں۔ پھر یہ کہ کون سا پانی پاک اور کون سا ناپاک ہوتا ہے۔ یہ عبادات کا علم آج بھی خوب عام ہوتا ہے۔ سعودی عرب کے ٹیلی ویژن سے اس علم کے مسائل پر بڑے بڑے پروگرام چلتے رہتے ہیں۔ جبکہ علم کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ اسلامی ریاست کیسی ہوتی ہے؟ اسلام کا نظامِ حکومت کیسا ہوتا ہے؟ اسلام میں سرمایہ داری کا کیا مقام ہے؟ اسلام میں جاگیرداری کا بھی کوئی مقام ہے یا نہیں؟ کیا بیت المال بادشاہوں کی ذاتی جاگیر ہوتی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ ؓ کا اشارہ اس علم کی طرف ہے کہ اگر میں یہ علم بیان کروں گا تو اسے برداشت نہیں کیا جائے گا اور میری یہ گردن کاٹ دی جائے گی۔ گویا کہ ایک برتن کا علم کہیں بند رہ گیا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری حدیث کی کتابیں عبادات کے علم سے تو بھری پڑی ہیں' ان میں کتاب الطہارۃ' کتاب المیاہ' کتاب الصلاۃ' کتاب الصوم' کتاب الحج' عبادات کے یہ سارے معاملات موجود ہیں' لیکن دوسرے معاملات جس تفصیل سے ہونے چاہئیں اس تفصیل سے موجود نہیں۔ بعینہٖ اسی حوالے سے قرآن مجید کو بھی پیچھے دھکیلا گیا ہے۔

اب آیئے موجودہ حالات کی طرف کہ آج قرآن کے پس منظر میں جانے کی

(۱) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب حفظ العلم' حدیث ۱۱۷

صورت کیا ہے! ایک تو وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سمجھتے نہیں' صرف ثواب حاصل کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ عجمی لوگ اکثر و بیشتر تو وہی ہیں جو قرآن کو سمجھتے ہی نہیں اور اس کے لئے ان کے پاس سب سے بڑی دلیل ''ثواب'' کی ہے' کیونکہ ان کے ہاں وہ حدیثیں عام کردی گئی ہیں کہ ایک حرف پڑھو گے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ چنانچہ انہیں سمجھنے سے سروکار نہیں ہے' کیونکہ ان کے نزدیک صرف پڑھنا اور تلاوت کرنا اصل ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''الٓمّٓ'' کو ایک حرف نہ سمجھنا' ''الف'' ایک حرف ہے' ''لام'' ایک حرف ہے' ''مِیْم'' ایک حرف ہے۔ گویا تم نے ''الٓمّٓ'' پڑھا تو تیس نیکیاں تمہارے حساب میں درج ہو گئیں۔ حدیث نبویؐ سر آنکھوں پر' میں اس حدیث کی نفی نہیں کرتا' لیکن اس طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ آیاتِ قرآنی کو نہ سمجھنے سے کوئی debit (نقصان یا گناہ) بھی ہوتا ہے یا نہیں! کریڈٹ (credit) تو ہم گنتے جا رہے ہیں کہ ہم نے اتنا ثواب حاصل کر لیا' ختم قرآن کر لیا۔ لوگ گنتی کرتے ہیں کہ ہم نے رمضان میں اور اعتکاف میں اتنے قرآن ختم کر لئے۔ آپ ڈھیروں کریڈٹ تو جمع کر رہے ہیں' لیکن قرآن کو نہ سمجھنے کا کوئی debit بھی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس طرزِ عمل کی وجہ سے ساتھ ساتھ آپ کا کریڈٹ ختم ہو رہا ہو اور debit بڑھ رہا ہو؟ میں نے ۱۹۶۸ء میں جب ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کے عنوان سے کتاب لکھی تھی' جو کہ مسجد خضراء سمن آباد میں کی گئی تقریروں پر مبنی ہے' تو کچھ عرصے بعد ۱۹۷۰ء کا پورا رمضان المبارک میں نے مدینہ منورہ میں گزارا۔ آخری عشرے میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ وہاں مسجد نبویؐ میں اعتکاف کے لئے آ گئے۔ میں نے اپنا یہ کتابچہ ان کو دیا کہ مولانا صاحب! میں اس کو بڑے پیمانے پر عام کرنا چاہتا ہوں' آپ اس کو دیکھ لیجئے' اگر کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے تو نشاندہی کر دیں تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے اور میں اس کو بڑے پیمانے پر شائع کر سکوں۔ انہوں نے حالتِ اعتکاف میں وہ کتابچہ پڑھا اور ایک جگہ اصلاح کی۔ اس کتابچے میں مَیں نے قرآن مجید کے تیسرے حق ''تذکر و تدبر'' کے ضمن میں لکھا تھا:

''......بغیر فہم کے مجرد تلاوت کا جواز ایسے لوگوں کے لئے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہوں اور اب تعلیم کی عمر سے بھی گزر چکے ہوں۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا۔ بلکہ ایک ایسا ان پڑھ شخص جو ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتا ہو اور اب اس کے لئے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو' اگر اس یقین کے ساتھ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے' اسے کھول کر بیٹھتا ہے اور محبت وعقیدت اور احترام و تعظیم کے ساتھ اس کی سطور پر محض انگلی پھیرتا رہتا ہے تو اس کے لئے اس کا یہ عمل بھی یقیناً موجب ثواب و برکت ہوگا' لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا بھلا عرصہ صرف کر دیا ہو اور دنیا کے بہت سے علوم وفنون حاصل کئے ہوں' مادری ہی نہیں غیر ملکی زبانیں بھی سیکھی ہوں' اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن مجید کی تحقیر وتوہین اور تمسخر واستہزاء کے مجرم گردانے جائیں۔ ایسے لوگوں کو تلاوتِ قرآن کا کوئی ثواب نہیں ملے گا......''

انہوں نے یہ اصلاح تجویز کی کہ:

''......اگر قرآن کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر وتوہین اور تمسخر واستہزاء کے مجرم گردانے جائیں اور اس اعراض عن القرآن کی سزا تلاوت کے ثواب سے بڑھ جائے......''

مولانا مرحوم کا مشورہ بہت عمدہ تھا۔ اس سے مضمون اور نکھر گیا۔ کیونکہ یہ اعراض ہی تو ہے کہ ایم اے کیا' پی ایچ ڈی کی' فزکس اور کیمسٹری میں سپیشلائزیشن کیا' اتنے عرصے تک پڑھتے رہے' لیکن اتنی عربی نہ سیکھ سکے کہ قرآن کو براہِ راست سمجھ سکیں۔ ایسے لوگوں کے پاس روزِ محشر کیا دلیل ہوگی' کیا عذر ہوگا؟ جیسے اقبال نے کہا ہے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

آپ تصور کریں کہ حشر کی گھڑی قائم ہو چکی ہے' اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھ رہا ہے کہ تم نے عربی کیوں نہیں سیکھی تھی اور قرآن کیوں نہیں سمجھا تھا؟ تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟ ظاہر ہے کوئی جواب نہیں ہوگا اور اس اعراض عن القرآن کی سزا کے طور پر سارا

ثواب صاف ہو جائے گا اور گرفت بڑھتی چلی جائے گی۔

یہاں تک عجمی لوگوں کا معاملہ تو سمجھ میں آ گیا کہ عربی نہ سیکھی لہٰذا قرآن سمجھ میں نہ آیا' لیکن آج عربوں کو کیا ہوا؟ قرآن تو اُن کی زبان میں نازل ہوا ہے' ان پر قرآن کی تاثیر کیوں ظاہر نہیں ہو رہی؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب سے مسئلہ آپ کے سامنے پوری طرح نکھر کر سامنے آ جائے گا۔ کیونکہ اگر قرآن اور ہمارے درمیان صرف عربی زبان کا حجاب ہے تو قرآن کی تاثیر آج عربوں پر کیوں نہیں ہے۔ تاثیر ہوتی تو آج وہاں یقیناً اسلام کا نظامِ عدل وقسط قائم ہوتا' اسلام کا بول بالا ہوتا۔ لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ آج مغربی تہذیب میں جس قدر عرب غرق ہیں ہم نہیں ہیں۔ شمالی افریقہ کے پورے ساحل پر دینی اور اخلاقی اعتبار سے بدترین قومیں آباد ہیں' جن کی زبان عربی ہے۔ الجزائر' تیونس اور لیبیا کے رہنے والوں کی تو اپنی زبان عربی ہے' لیکن ان پر قرآن کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ وہ اہم نکتہ ہے جسے میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مکی قرآن سے ہمارے حجابات

پیش نظر مسئلے کا میں نے تجزیہ کیا تو پہلی بات یہ سامنے آئی کہ ہم قرآن حکیم کے ایک بڑے حصے کو اپنے سے غیر متعلق (irrelevent) سمجھتے ہیں۔

<u>پہلا حجاب:</u>

ہم مکی قرآن پڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ساری باتیں کفر اور کفار کی ہو رہی ہیں' جبکہ ہم مسلمان ہیں' اپنے تئیں پکے مؤمن ہیں' ہمارا اس سے کیا سروکار؟ وہ ساری بحثیں ہم غیر متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ تو دیوی دیوتاؤں کے شرک کی باتیں ہو رہی ہیں۔ لات و عزیٰ سے بھلا ہمارا کیا سروکار؟ ہم ان کے پوجنے والے نہیں۔ اس لئے یہ ساری بحثیں ہم سے غیر متعلقہ قرار پاتی ہیں۔ اسی طرح قصص النبیین ہمارے لئے اساطیر الاولین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ بہت اچھے لوگ

تھے‘ وہ نبی تھے‘ ہم غیر نبی ہیں۔ اس لئے انبیاء کا تذکرہ ہمارے لئے غیر متعلق ہے۔ انباء الرسل اس لئے غیر متعلقہ ہیں کہ اب کوئی رسول نہیں آئے گا‘ اس لئے کسی قوم پر عذابِ ہلاکت بھی نہیں آ سکتا‘ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵) ''ہم جب تک رسول نہ بھیجیں ہمارا عذاب نہیں آ سکتا''۔ نہ اب رسول آئے گا‘ نہ عذاب آئے گا۔ چنانچہ یہ قصے بھی محض تاریخی حیثیت کے حامل ہیں‘ ان کا عملی طور پر کوئی تعلق ہم سے نہیں۔ ہاں کہیں اخلاق کی بات آ گئی‘ سچ بولنے کی تاکید آ گئی‘ جھوٹ کی مذمت آ گئی تو اسے ہم نے سمجھا کہ اس کا کوئی تعلق ہم سے ہے۔ اس کے علاوہ یہ جو پورا مکی قرآن ہے اس کے متعلق ہم اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ اس کا ہم سے کوئی تعلق سرے سے ہے ہی نہیں۔

دوسرا حجاب:

ایمانیات کی بحث کو بھی ہم اپنے سے متعلق نہیں سمجھتے‘ حالانکہ ہمارے پاس حقیقی ایمان نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ ایک موروثی عقیدہ (Racial Creed) ہے‘ اس کے ساتھ یقین کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ صرف قانونی ایمان ہے‘ جو آج اکثریت کو حاصل ہے۔ لیکن قانونی ایمان کی آخرت میں کوئی حیثیت نہیں‘ وہاں انسان کو حقیقی ایمان کے اعتبار سے پرکھا جائے گا۔ اس لئے مکی قرآن میں ایمان کی بحثیں سمجھنا بھی ضروری ہیں‘ جن میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے دلائل دیئے گئے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ زعم کہ ہم تو صاحب ایمان ہیں‘ ہمارے اور قرآن کی ان طویل بحثوں کے درمیان حجاب بن گیا ہے۔

تیسرا حجاب:

نزولِ قرآن کے وقت شرک کی جو صورتیں موجود تھیں آج ان کے علاوہ بھی شرک کی بہت سی شکلیں ہیں جن میں ہم مبتلا ہیں۔ مثلاً سیاسی شرک۔ نفس پرستی کا شرک تو خود قرآن میں بیان ہوا ہے: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (الجاثیہ: ۲۳) ''(اے نبیؐ!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟'' لیکن ہم خود کو شرک سے بالکلیہ بری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم

آج بھی اسی دیوی دیوتاؤں اور بُت پرستی والے شرکِ قدیم میں مبتلا ہے۔ غور کیجئے یہ مزاروں پر کیا ہو رہا ہے؟ اس میں اور بُت پرستی میں کیا فرق ہے؟ صرف ایک چیز کی کسر ہے کہ مورتی سامنے نہیں بنی ہوتی۔ اگر قومِ نوح نے اپنے اولیاء اللہ ''ودّ' سواع' یغوث' یعوق' نسر'' کے مجسمے تراش لئے تھے تو کیا یہ سب کچھ ہم اپنے اولیاء اللہ کے ساتھ نہیں کر رہے؟ ان سے ''شَیْئاً لِلّٰہِ'' کہہ کر مانگتے نہیں ہیں؟ ان سے یہ نہیں کہتے کہ اَغِثْنِیْ ''میری فریاد سنئے اور میری مدد کیجئے!'' کیا ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ ہمیں اللہ سے چھڑا لینے والے ہیں؟ جیسے کفار و مشرکین کہا کرتے تھے: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸) ''یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے''۔ کیا ہمارے عوام کی عظیم اکثریت اس توہّماتی شرک میں مبتلا نہیں ہے؟ کیا ہمارے ایلیٹ کلاس کے لوگ' ٹاپ کلاس کے قائد داتا دربار پر حاضری نہیں دیتے؟ اس سے کس شرک کی تائید ہوتی ہے؟ کوئی مہم (Campaign) شروع کرنی ہو تو داتا دربار پر حاضری دیتے ہیں۔ کوئی فائل کھل گئی ہے تو داتا دربار پر چادر چڑھا رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں اُس زمانے کا جو شرک بیان ہوا ہے وہ شرک آج بھی ہمارے ہاں جوں کا توں موجود ہے۔

ایک اور بات بہت ڈرتے ڈرتے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ جو گستاخیاں ہوئیں کہ کسی کو خدا کا بیٹا بنا دیا گیا' کسی کو کچھ اور بنا دیا گیا' کیا ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہی کچھ نہیں کر رہے؟ ''سرورِ دو عالَم'' اور ''شہنشاہِ دو عالَم'' کے کیا معانی ہیں؟ یہ شان تو صرف اللہ کی ہے۔ قرآن تو کہتا ہے: ﴿لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾ (الکہف:۲۶) اور ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ (بنی اسرائیل:۱۱۱) یعنی اللہ کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں تو بندہ ہوں' غلام ہوں۔ آپؐ غلاموں کی طرح اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ عبدیت میرے سر کا تاج ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ ......﴾ (بنی اسرائیل:۱) ''پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے (محمد ﷺ) کو لے گئی......'' ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى

عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ (الکہف:۱) ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب (قرآن) نازل کی''۔ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ﴾ (الفرقان:۱) ''بہت بارکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر فرقان (قرآن مجید) اتارا''۔ اور آج ہم نے حضور ﷺ کو کیا بنایا ہے؟ یہ غور کرنے کی باتیں ہیں۔ حضور ﷺ کا اپنا عالَم تو یہ تھا کہ آپؐ دعا مانگا کرتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ)) کہ اے اللہ! مَیں تیرا بندہ ہوں' میرا باپ بھی تیرا ادنیٰ غلام تھا' اور میری ماں بھی تیری ادنیٰ کنیز' ادنیٰ لونڈی تھی ((فِیْ قَبْضَتِكَ)) میرا پورا وجود تیرے قبضۂ قدرت میں ہے ((نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ)) میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے ((مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ)) میرے پورے وجود میں تیرا حکم جاری وساری ہے ((عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ)) میرے بارے میں جو فیصلہ تو کرے گا وہ عدل ہوگا۔ حضور ﷺ کے ہاں عبدیت وعجز کا یہ عالَم ہے۔ قرآن میں آتا ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ ''بادشاہی اللہ کے سوا کسی کی نہیں''۔ داوٗد علیہ السلام بھی خلیفہ تھے۔ جب اسلامی ریاست کی تشکیل ہوگئی تو محمد رسول اللہ ﷺ بھی خلیفہ تھے۔ یعنی آپؐ اللہ کے خلیفہ تھے' اللہ کے بندے تھے' اللہ کے رسول تھے۔ کلمۂ شہادت میں بھی آپؐ کی عبدیت کا اقرار ہے: ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ''۔ یہ تو ایک لفظ ہے ''سرورِ دو عالَم'' جس کی طرف شاید کسی کا خیال بھی نہ گیا ہو' لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم نے کسی گمراہی کو چھوڑا نہیں۔

اسی طرح کفار کا ذکر ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تو پچھلوں کی باتیں ہیں۔ یہ ابوجہل کا مسئلہ ہے' یہ ابولہب کا تذکرہ ہے' اس کا ہم سے کیا سروکار! حالانکہ ہمیں ان کے کفر اور طرزِ عمل سے بچانے کے لئے اُن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

مدنی قرآن سے ہمارے حجابات

پہلا حجاب:

اب مدنی قرآن کی طرف آیئے! اس میں نفاق کے بارے میں کتنی مفصل بحثیں

ہیں۔ کیا کسی نے کبھی سوچا کہ مجھ سے اس بحث کا کیا تعلق ہے' جبکہ ان بحثوں پر پوری پوری سورتیں (المنافقون' التوبۃ اور النساء) موجود ہیں۔ سورۃ توبہ اور سورۃ نساء میں تو نفاق کی طویل ترین بحثیں آئی ہیں۔ لیکن ہم تو بزعمِ خود مؤمن ہیں' اس لئے یہ ہم سے متعلق نہیں ہیں۔ جبکہ نفاق وہ روگ اور وہ بیماری ہے جس سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہئے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے: ((مَا خَافَہُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَمَا اَمِنَہُ اِلَّا مُنَافِقٌ)) یعنی نفاق کا صرف مؤمن اندیشہ رکھتا ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہو گیا اور صرف منافق ہی اس سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے کہ نفاق کا مجھ سے کیا سروکار؟ حضرت عمر ؓ کی یہ شان ہے کہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا' اور جس راستے سے عمر چلتا ہے شیطان اس راستے سے کنی کترا جاتا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ ہر نبی کی اُمت میں محدَّثین ہوتے ہیں جن سے اللہ کلام کرتا ہے اور میری اُمت کا محدَّث عمرؓ ہے۔ لیکن اس عمرؓ کا یہ حال ہے کہ ایک بار حضرت حذیفہ ؓ سے کہنے لگے جنہیں حضور ﷺ نے منافقین کے نام بتا دیئے تھے کہ ''اے حذیفہؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کہیں میرا نام تو منافقوں کی فہرست میں نہیں ہے؟''۔ ظاہر بات ہے نفاق کی بحثیں تو وہ شخص پڑھے گا کہ جو اُس سے بچنا چاہے گا' اور جانے گا کہ یہ مجھ سے متعلق ہیں' اس لئے میں اس کا ایک ایک لفظ پڑھوں' اپنے اندر جھانکوں' اپنا جائزہ لوں۔ مجھے یہ شعر بہت عمدہ لگتا ہے۔

جانِ جملہ علم ہا این ست و این
تا بہ دانی من کیم در یومِ دین

یعنی پورے علم کا خلاصہ اور جان یہ معلوم ہو جانا ہے کہ قیامت کے دن میں کہاں کھڑا ہوں گا؟ مؤمنین صادقین کی صف میں یا منافقین کی صف میں؟ پل صراط پر اوندھا پڑا ہوں گا یا سلامتی سے گزر جاؤں گا؟

دوسرا حجاب:

اسی طرح جہاد اور قتال کو فرضِ کفایہ سمجھتے ہوئے ہم ان بحثوں سے لاتعلق ہو

جاتے ہیں کہ یہ فرضِ عین تو نہیں ہے۔ بس بات ختم ہوئی۔ چنانچہ اب قتال کے واقعات تو ہمارے نزدیک غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب کی تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں' ہمارا اُن سے کوئی عملی تعلق نہیں۔ ہم سوچتے ہیں کہ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ فرض ہے' جہاد تو ہم پر فرض نہیں ہے۔ اس لئے یہ ساری بحثیں ہم سے غیر متعلق ہو گئیں۔ بس پڑھو اور ثواب لے لو!

تیسرا حجاب:

چونکہ اسلامی ریاست قائم نہیں ہے لہٰذا شریعت کے اجتماعی احکام بھی ہم سے غیر متعلق ہو گئے' کیونکہ انفرادی حیثیت سے ان پر عمل کا کوئی سوال ہی نہیں۔ میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتا' میں زانی کو سنگسار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ حصہ بھی ہم سے غیر متعلق ٹھہرا' اور ہماری چھٹی ہو گئی کہ ہم سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ ساری چیزیں ہمارے اور قرآن کے مابین حجاب بن گئی ہیں۔ مدنی قرآن میں سے صرف عبادات' نماز' طہارت' وضو' تیمم اور روزے کا ہم سے تعلق ہے۔ چنانچہ پورے مکی قرآن میں سے صرف اخلاقی تعلیمات اور پورے مدنی قرآن میں سے عبادات' یہ دو چیزیں ہیں جن کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہم سے متعلق ہیں اور ان کا ہم سے کوئی تعلق ہے۔ باقی مباحث کے بارے میں اگرچہ ہم زبان سے نہیں کہتے کہ یہ اساطیر الاوّلین ہیں' لیکن ہمارا طرزِ عمل ظاہر کرتا ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ پچھلوں کی کہانیاں ہیں اور قصے ہیں' سابقہ اقوام کی تاریخ ہے۔ نوح علیہ السلام سے لے کر موسیٰ علیہ السلام تک کے حالات جو کہ بار بار بیان ہو رہے ہیں' ان کا ہم سے کیا تعلق ہے؟ جب یہ حجابات ہمارے اور قرآن کے مابین ہوں گے تو قرآن کی تاثیر کیسے ہوگی؟ جو سمجھتے ہی نہیں ان کو چھوڑیئے' اہل عجم کا معاملہ الگ ہے' میں تو عربوں کی بات کر رہا ہوں کہ ان حجابات میں وہ بھی مبتلا ہیں۔

چوتھا حجاب:

یہ وہ حجاب ہے جو اہل علم لوگوں کی کوتاہی کے باعث پیدا ہوا ہے۔ اقبالؔ نے

ایک لفظ استعمال کیا ہے ''عذابِ دانشِ حاضر''۔فرمایا ؎

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

اقبال کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۰ء تک جدید فلسفہ پڑھا ہے' جدید تہذیب اور جدید افکار ونظریات کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ یہ عذابِ دانشِ حاضر ہے۔اس عذابِ دانشِ حاضر کا اثر پورے عالمِ اسلام میں اتنا گہرا ہے کہ عالمِ اسلام کے بڑے بڑے ذہین لوگ (The intelligentsia of the Muslim World) اس عذاب میں مبتلا ہیں اور کہیں اس کا توڑ نہیں کیا جا رہا۔فتویٰ دے دینا کہ فلاں شے حرام ہے' یہ اور بات ہے' لیکن فکری سطح پر اس کا توڑ اور دلیل سے اس کو ردّ کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ کام اُمت کے اہلِ علم کا ہے جو کبھی ابن تیمیہ اور غزالی رحمہما اللہ نے کیا تھا۔ اُس وقت یونان کا فلسفہ وفکر اور تصوف اسلام کے لئے چیلنج بن کر آیا تھا اور ان ساری چیزوں کا حملہ اُس وقت بھی عالمِ اسلام پر ہوا تھا۔لیکن یہ دو عظیم شخصیات اٹھیں اور انہوں نے اس کا جادو تار تار کر کے رکھ دیا کہ اس میں کچھ نہیں رکھا' یہ محض سراب ہے۔ابن تیمیہؒ نے ''اَلرَّدُّ عَلَی الْمَنْطِقِیِّیْنَ'' کے ذریعے ''لوہا لوہے کو کاٹتا ہے'' کے مصداق ان کی logic ردّ کر کے دکھا دی کہ یہ منطق خود اپنے اصولوں سے ختم ہوتی ہے۔امام غزالیؒ نے '' تَھَافَـةُ الْفلاسفة'' کے ذریعے واضح کر دیا کہ یہ سب فلسفے بے بنیاد ہیں۔ موجودہ دَور میں سوائے علامہ اقبال کی شخصیت کے کسی نے اس فکری حملے کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اعلیٰ علمی وفکری سطح پر یہ اُمت مسلمہ کی بہت بڑی کوتاہی ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دانشِ حاضر پر کاری ضرب لگائی جائے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ چیزیں جو قرآن کی حقانیت کا ثبوت ہیں' ان کو بھی ہم نے ایک طرف رکھ دیا کہ ان سے ہمارا کوئی سروکار ہی نہیں۔ یہ سائنسی اکتشافات دراصل قرآن کی حقانیت کا ثبوت ہیں۔سورۂ حٰم السجدۃ میں فرمایا گیا:

﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾

(آیت ۵۳)

''ہم ان کو اس کائنات میں اور خود اُن کے وجود میں نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے (اور ہماری نشانیاں ان پر منکشف ہوتی چلی جائیں گی) یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے''۔

ایک سے ایک بڑھ کر سائنس کے انکشافات ہوں گے' جو یہ ثابت کریں گے کہ یہ قرآن حق ہے۔ قرآن نے یہ بات چودہ سو برس پہلے کہی ہے' لیکن ہمارے علماء نے سائنس کا دروازہ اپنے لئے بند کر رکھا ہے اور خود کو ''قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ'' تک محدود کر لیا ہے۔ بلکہ قرآن بھی نہیں' ان کے نزدیک تو اصل چیز فقہ ہے' کیونکہ اس سے فتوے دیتے ہیں۔ حدیث میں بھی زیادہ ذوق و شوق اہلحدیث حضرات کا ہے' ورنہ حنفی کے لئے تو فقہ کافی ہے اور اہلحدیث کے لئے حدیث بہت کافی ہے۔ قرآن کہیں بھی نہیں' نہ اُن کے ہاں نہ اِن کے ہاں۔ سائنس کے حوالے سے ہمارے علماء کے ہاں اس قدر جمود طاری ہے کہ ابھی تک زمین کے ساکن ہونے اور سورج کے زمین کے گرد گھومنے کے نظریات پر قائم ہیں۔ حالانکہ اس ضمن میں صحیح رُخ یہ ہے' جس میں اللہ نے مجھے انشراح عطا فرمایا ہے' کہ جہاں تک دین کا عملی پہلو ہے اس میں پیچھے اسلاف کی طرف جائیں۔ پیچھے ائمہ مجتہدین تک' مزید پیچھے صحابہ کرام ؓ تک اور مزید پیچھے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیں۔ دین کے عملی پہلو میں آپ کو آگے نہیں جانا' زمانے کے ساتھ نہیں جانا۔ کیونکہ عملی اعتبار سے دین محمد رسول اللہ ﷺ پر کامل ہو گیا۔ عمل میں آنحضور ﷺ سے جو ثابت ہو وہ سر آنکھوں پر۔ ع

''بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست''

حلال' حرام' واجب' فرض' شریعت کے احکام' جو دین کا عملی پہلو ہے' ان کے لئے پیچھے جاؤ ع ''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو!'' البتہ حکمت' سائنس' تجرباتی علوم میں آگے سے آگے جانا چاہئے۔ قربان جایئے اللہ کے رسول ﷺ پر کہ ''تأبیر نخل'' کے

معاملے میں کس قدر سادگی سے ایسا اصول بتا دیا۔ حضور ﷺ چونکہ مکے میں رہے تھے‘ وہاں زراعت تھی ہی نہیں‘ لہٰذا زراعت سے آپ کو کوئی دلچسپی تھی نہ اس کے اصولوں سے کوئی واقفیت تھی۔ مدینے کے لوگ زراعت پیشہ تھے‘ انہیں اپنے تجربے سے معلوم تھا کہ کھجور کے نر اور مادہ پھول علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں‘ انہیں قریب لے آیا جائے تو پھر fertilization زیادہ ہوتی ہے‘ لہٰذا پھل زیادہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے آ کر دیکھا تو فرمایا یہ تم لوگ کیا کرتے ہو‘ فطرت اپنی نگہداشت خود کر سکتی ہے‘ تم قدرت کے معاملات میں مداخلت نہ کرو تو کیا ہے۔ آپؐ نے روکا بھی نہیں‘ بلکہ کہا کہ ''تم یہ نہ کرو تو کیا ہے''۔ صحابہ ؓ کے لئے آپ کا یہ کہنا بھی حکم کے درجے میں تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہ عمل نہیں کیا‘ لیکن اس سال فصل کم ہوگئی۔ اب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور! آپؐ نے فرمایا تھا ایسا نہ کریں تو کیا ہے‘ لہٰذا ہم نے تأبیر نخل نہیں کی‘ لیکن اس سے فصل کم ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو میں تمہیں یہ چیزیں سکھانے نہیں آیا ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ)) (مسلم) دنیاوی معاملات تم مجھ سے بہتر جانتے ہو‘ اس لئے یہ عمل کرتے رہو۔ یہ کتنا بڑا اصول ہے۔ اسی طرح ہمارے سائنسی علوم تجرباتی علوم ہیں۔ قرآن سائنس پڑھانے نہیں آیا۔ یہ تو انسان کے لئے راہِ ہدایت لے کر آیا ہے۔ لیکن اس میں کچھ ایسے حقائق بھی بیان ہوئے ہیں کہ سائنس کے میدان میں جب کسی حقیقت کی طرف انسان کی رسائی ہوتی ہے اور وہ بات قرآن میں بھی آئی ہو تو اس سے قرآن کی حقانیت مبرہن ہو جاتی ہے۔ قرآن ایمبریالوجی‘ زوآلوجی‘ باٹنی‘ اسٹرونومی یا جیالوجی پڑھانے نہیں آیا۔ البتہ آیاتِ قرآنی میں اُن کے حوالہ جات موجود ہیں‘ اور اگر وہ سائنس کے حوالے سے ثابت ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ قرآن مجید کی حقانیت کا ایک ثبوت ہیں‘ جیسا کہ خود قرآن نے دعویٰ کیا ہے: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ کہ ہم انہیں اپنی آیات دکھائیں گے آفاق میں بھی اور انفس میں بھی‘ بڑی سے بڑی آیات ظاہر ہوتی جائیں گی‘ نئی سے نئی نشانیاں سامنے آئیں گی‘ جس سے یہ بات مبرہن سے مبرہن تر ہوتی چلی جائے گی کہ یہ قرآن مجید حق ہے۔

اسی deficiency کے باعث ایک پڑھا لکھا آدمی جب قرآن پڑھتا یا سنتا ہے اور قرآن مجید کی جو بھی تشریح عام علماء کرتے ہیں اس کے درمیان وہ اتنا Gap محسوس کرتا ہے کہ قرآن اس پر اثر ہی نہیں کرتا۔

راہِ عمل

یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے ہم اس وقت قرآن مجید کی تاثیر سے محجوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور اب جبکہ بیماری کا پتہ چل گیا ہے تو اِن حجابات سے نکلنے کے لئے ہمیں عمل کی شاہراہ پر آنا ہوگا۔ اس کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان کی حقیقت کو سمجھیں کہ ہم جس ایمان کے حامل ہیں اس کی حیثیت صرف موروثی عقیدے کی ہے اور یہ ایمان صرف ایمان باللسان ہے۔ جیسے سورۃ الحجرات میں ہے: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ (آیت ۱۴) ''یہ دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے' ان سے کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ!) کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ کہو کہ ہم نے فرماں برداری قبول کر لی ہے''۔ جبکہ ایمانِ مطلوب تو تصدیق بالقلب والا ایمان ہے۔ یہ ایمان کہاں سے ملے گا؟ یہ صرف اور صرف قرآن سے ملے گا۔ لہٰذا قرآن مجید کے ان حصوں کو پڑھنا ہوگا' ان پر غور کرنا ہوگا' انہیں اچھی طرح گہرائی میں سمجھنا ہوگا' ان مقامات پر اپنے ہائی پاور لینز فوکس کرنے ہوں گے جہاں ایمان سے متعلق مباحث آئے ہیں۔

اسی طرح ہم شرک سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۶ کے الفاظ ہیں: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ ''ان کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں رکھتی مگر کسی نہ کسی نوع کے شرک کے ساتھ''۔ شرک سے تو بچا تھا اللہ کا بندہ ابراہیم علیہ السلام اور قرآن میں سب سے بڑی سند اُسے یہی دی جاتی ہے کہ ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) مشرکوں میں سے نہ تھا''۔ شرک سے بچنا آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا شرک کے مباحث پر غور و فکر کے ذریعے قدم قدم پر شرک سے بچنے کے لئے اللہ سے توفیق طلب کی جائے۔

قرآن کی دعوت

اب چونکہ عمل کی راہ ہموار ہو چکی ہے اس لئے مختصر الفاظ میں قرآن کی دعوت سامنے رکھ رہا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ تاہم آج میں ایک اور ترتیب سے بات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس لئے کہ ع ''اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں'' کے مصداق بے شک بات ایک ہی ہو لیکن ذرا ترتیب بدلے تو یہ اسلوب قرآن سے مطابقت رکھتا ہے۔ سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن کی پوری دعوت کو اگر ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ کیا ہے؟ وہ ہے ''عبادتِ ربّ''۔ چنانچہ فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ (البقرۃ:۲۱) ''اے لوگو! اپنے ربّ کی بندگی کرو''۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۝﴾ (الذاریات:۵۶) ''اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا''۔ رسولوں کی دعوت تھی: ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ (ھود:۵۰) ''اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو، تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا نہیں''۔ لیکن اس عبادت کے لئے شرط ہے ﴿مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ (البیّنۃ:۵) کہ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کر لو، ورنہ وہ عبادت اللہ کے ہاں منظور نہیں، قبول نہیں۔ اس بندگی کا جوہر دعا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) اور ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) یہ دعا بھی ﴿مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ ہو تو بندگی ہے۔

اب اگر کوئی شخص ایسی جگہ رہتا ہے جہاں اللہ کا دین غالب ہے تو اس کی عبادت (اللہ کی بندگی) سو فیصد ہو سکتی ہے، اجتماعی زندگی میں بھی اور انفرادی زندگی میں بھی ـــــ لیکن اگر طاغوت غالب ہے اور غیر اسلامی نظام قائم ہے تو اب ﴿مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ کا تقاضا پورا کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ یہ جو انفرادی زندگی میں جزوی عبادت کر رہا ہے اور باقی اجتماعی معاملات میں بندگیٔ ربّ نہیں کر رہا اس کا کفارہ ادا کرے اور اس نظام کو بدلنے کے لئے تن من دھن وقف کر دے۔ اگر یہ کریں گے تو

عبادت قبول ہوگی' ورنہ نہیں۔ گویا ایک لفظ ''عبادت'' کے اندر پورے قرآن کی دعوت موجود ہے' جس کی وضاحت قرآن میں یوں آئی ہے: ﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ......﴾ (البیّنۃ:٥) ''اور اُن کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں' اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے' بالکل یکسو ہو کر' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں......'' یعنی اپنی عبادت اور پرستش کو جب اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے کرو گے تب اگر نماز پڑھو گے اور زکوٰۃ دو گے تو وہ قبول ہوگی' ورنہ نہیں۔ گویا شرطِ اوّل یہ ہے۔

اب ایک اور انداز سے دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن کی دعوت دو الفاظ میں بھی آئی ہے؟ سورۃ الحدید میں ارشاد ہوا:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ﴾ (آیت ٧)

یہاں دو الفاظ آئے ہیں ''اٰمِنُوْا'' اور ''اَنْفِقُوْا'' کہ ''ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور کھپا دو' صرف کر دو اُس میں سے جو کچھ بھی ہم نے تمہیں دیا ہے''۔ یعنی تم اپنا جسم' اپنی طاقت' ذہانت' صلاحیت' قوت' وقت' سب اللہ کے لئے کھپا دو۔

یا قرآن میں دو لفظ اور آتے ہیں: ''اٰمِنُوْا'' اور ''جَاهِدُوْا''۔ کُل دین ان دو الفاظ میں آ گیا ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الحُجُرات:١٥)

''مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر' پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کی راہ میں''۔

سورۃ الصّف میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ (آیات ١٠'١١)

''اے ایمان والو! کیا مَیں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے؟ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔''

یہاں جہاد سے مراد بھی اپنی جان اور مال کو کھپا دینا ہے۔ اس طرح ''ایمان اور جہاد'' ـــــ اور ـــــ ''ایمان اور انفاق'' دو دو الفاظ میں کل دعوت آ گئی ہے۔

اس سے آگے چلئے' چار چار الفاظ میں بھی دعوت دی گئی۔ سب سے پہلے سورۃ العصر کو لیجئے:

﴿وَالْعَصْرِ ۞ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۞ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۞﴾

''زمانے کی قسم ہے! تمام انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی''۔

سورۃ الحج کی آیت ۷۷ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞﴾

''اے اہل ایمان! رکوع کرو' سجدہ کرو' اور اپنے ربّ کی بندگی کرو اور اچھے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

سورۃ الاعراف میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آیا ہے:

﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞﴾ (آیت ۱۵۷)

''جو لوگ آپؐ پر ایمان لائیں گے' آپ کا احترام اور تعظیم کریں گے' آپؐ کی مدد کریں گے اور جو نور آپؐ کے ساتھ نازل کیا جائے گا اس کی پیروی کریں گے وہ ہوں گے فلاح پانے والے''۔

سورۂ آل عمران کی آیت ۲۰۰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞﴾

''اے اہل ایمان! صبر کرو اور صبر میں (اپنے مدمقابل دشمنوں سے) بازی لے جاؤ (وہ بھی صبر کر رہے ہیں اپنے معبودانِ باطل کے لئے' اپنے نظامِ باطل کے لئے' اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے' تم ان سے صبر میں بڑھ جاؤ) اور باہم مربوط رہو (ایک منظم جماعت کی شکل میں جڑے رہو) اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس کے علاوہ قرآن مجید میں لمبی لمبی بحثیں بھی آئی ہیں' مثلاً سورۃ التغابن' سورۃ الحدید' سورۃ الصف' سورۃ الحجرات اور سورۃ الحج کے آخری حصے میں قرآن کی دعوت کھول کر بیان کر دی گئی ہے تاکہ کوئی کہہ نہ سکے کہ بات واضح نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام:۳۸) ''ہم نے اس قرآن میں کوئی کمی نہیں رکھی ہے'' کہ جس کی وجہ سے تم کہہ سکو کہ بات واضح نہیں ہے۔ اب جبکہ ہر شے واضح ہو گئی ہے تو ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (المرسلٰت:۵۰) کے مصداق اس قرآن کے بعد اب وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ آخر انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ قرآن کی آیات ہمیں پکار پکار کر مخاطب کر رہی ہیں:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الحدید:١٦)

''کیا ابھی وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لئے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد میں اور جو کچھ حق میں سے نازل ہو چکا ہے اس کے سامنے''۔

یہ تاخیر' یہ تعویق کس لئے؟ کہ یہ کر لیں' وہ کر لیں' اس کے بعد سوچیں گے' یہ مَیں ذرا اِس ذمہ داری سے فارغ ہو لوں۔ ؏ ''کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد'' دنیا کا کام تو کبھی ختم ہوتا ہی نہیں' اور جب آدمی دنیا سے چلا جاتا ہے تو دنیا میں کوئی کمی نہیں آتی' حالانکہ آدمی سمجھتا ہے کہ میرے بغیر تو یہ کام چل ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ چلا جاتا ہے اور کام چلتا رہتا ہے۔ ؎

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین OO

حزب اللہ اور حزب الشیطان

تحریر: خالد محمود عباسی، ناظم حلقہ پنجاب شمالی

قرآن مجید انسان کے سامنے جس خدا کا تعارف کراتا ہے اُسے دیگر صفات کے ساتھ ساتھ ''اَلْمَلِكُ'' یعنی بادشاہ کی صفت سے بھی متصف قرار دیتا ہے۔ کیونکہ وہی ہے جس نے کائنات بنائی، وہی اُس کا مالکِ حقیقی ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾، وہی اس کا پالن ہار اور پرورش کنندہ و مرتقی ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور وہی بادشاہ ہے ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ ''سن لو! اسی نے بنایا اور اسی کے لئے حکم (کا اختیار) ہے''۔ پھر بتاتا ہے کہ وہی اور صرف وہی بادشاہ حقیقی ہے ﴿ اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ یعنی اُس کے سوا بادشاہی کا ہر دعوے دار جھوٹا اور باغی ہے اور اُس کی بادشاہی باطل و طاغوت ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾ اور ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾۔ دس مقامات پر کہتا ہے: ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ اور چھ مقامات پر ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے الفاظ کے ذریعے اُس کی بادشاہی کو کون و مکاں پر محیط قرار دیتا ہے۔ اُسے ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ قرار دے کر ﴿ بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ اور ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾ کے الفاظ کے ذریعے اُس کی بادشاہی کو خیر و رحمت اور امن و سلامتی کا ضامن بتلاتا ہے۔ اسی لئے اس ہی کے دین کو دینِ حق قرار دے کر یہ اعلان کرتا ہے کہ: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ گویا ماسوائے دین حق اسلام کے سب دجل و فریب اور بغاوت و طاغوت ہے ـــــ پھر وہ نوع انسانی کو بادشاہِ حقیقی کے انصاف اور بدلے کے دن سے خبردار کرتا ہے جب تمام معاملات و اختلافات کا فیصلہ ہوگا۔ ﴿ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور جب باغی اور طاغی اپنے کانوں سے ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ کی صدا سنیں گے۔

قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ بادشاہی پوری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ ﴿وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ (الرحمٰن) یہاں تک کہ انسان کے وجود پر، اُس کے دل کی دھڑکن پر، اُس کی گردشِ خون پر اور اُس کے بالوں تک کے گھٹنے بڑھنے پر اُس کی

بادشاہی ہے۔ تاہم انسان کو آزمائش اور امتحان کے لئے کچھ اختیار بھی دیا گیا ہے تاکہ وہ بادشاہِ حقیقی کو پہچان کر اُس کی غلامی (بندگی) کرے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ (الذاریات) لیکن بسا اوقات ایسا ہوا کہ انسان نے اپنے اس اختیار کو غلط استعمال کیا اور خود ہی بادشاہی کا دعوے دار بن بیٹھا۔ کبھی اس نے ﴿أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ﴾ کہہ کر بغاوت کی اور کبھی ''سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ'' کا نعرہ لگا کر سرکشی کی انتہا کر دی۔

قرآن کے نزدیک اللہ کے خلاف اس بغاوت اور سرکشی کا نام ''فتنہ وفساد'' ہے۔ اسی کو وہ طاغوت بھی قرار دیتا ہے۔ انسان کی رہنمائی کے لئے وہ ایسی قوموں کی تاریخ نشانِ عبرت کے طور پر بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کر کے زمین کو فتنہ وفساد سے بھر دیا تو بادشاہِ حقیقی نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝﴾ (الفجر)

''تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا برتاؤ کیا اُونچے ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ، جن کے مانند کوئی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی؟ اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں؟ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ؟ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی اور اُن میں بہت فساد پھیلایا تھا۔ آخر کار تمہارے ربّ نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ بے شک تیرا ربّ گھات لگائے ہوئے ہے''۔

یہی وہ فسادی گروہ ہے جو تاریخ میں مختلف ناموں سے سرگرم رہا ہے۔ دنیا دارالامتحان ہے۔ یعنی یہاں کی زندگی آزمائش کے لئے ہے۔ حق و باطل کی کشاکش ہی اصل آزمائش ہے کہ اَلْمَلِكُ الْحَقُّ کے باغیوں کا ساتھ دے کر انسان باغیوں میں شامل ہوا ہے یا اُن کے خلاف بغاوت کر کے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ کے وفاداروں کے گروہ میں شمولیت اختیار کی ہے۔ باغیوں اور وفاداروں کے درمیان معرکۂ حق و باطل ہمیشہ سے گرم چلا آرہا ہے۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

پس وفاداروں کے لئے لازم ٹھہرا کہ وہ بادشاہِ حقیقی کے باغیوں کا مقابلہ کریں' اُن کی بغاوت ختم کریں اور اُس کی بادشاہت کو آسمانوں ہی کی طرح زمین پر بھی قائم و بحال کرنے میں اپنی کُل سعی و جہد صرف کر دیں۔ اللہ کے وفاداروں کا گروہ حزب اللہ اور اُس کے باغیوں کا گروہ حزب الشیطان کہلایا۔ تاہم کچھ لوگ اس معرکے میں بظاہر غیر جانب دار بھی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ ﴿لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَاۤءِ﴾ اور ﴿مَاهُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾ کا طرزِ عمل اپنائے نظر آتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں کہ وہ امن پسند ہیں اور صلح وصفائی جیسی صفاتِ عالیہ کے حامل ہیں۔ لیکن بادشاہ حقیقی کے خلاف برپا بغاوت وسرکشی کو گوارا کر کے اور اُس کے خلاف سرگرم عمل نہ ہو کر اُنہوں نے درحقیقت بغاوت کو عملاً تسلیم کر لیا ہوتا ہے اور وفاداری کے تقاضے سے انحراف کیا ہوتا ہے۔ اِس لئے بادشاہ ارض وسماء کے نزدیک غیر جانبداروں کا یہ گروہ بھی حزب الشیطان ہی قرار پاتا ہے۔

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ﴾

''شیطان اُن پر چھا گیا اور اس نے انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا' یہ لوگ شیطان کی پارٹی ہیں''

اور نتیجتاً آزمائش اور امتحان میں ناکام قرار پاتا ہے۔

﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ (المجادلہ)

''سن لو! بیشک شیطان ہی کی پارٹی خسارے میں ہے''۔

جن لوگوں نے پوری تن دہی سے اللہ کی بادشاہی کو قائم کرنے کے لئے جان و مال کی بازیاں کھیلیں اور اللہ' اُس کے رسول ﷺ اور سچے اہلِ ایمان ہی سے دلی اور حقیقی دوستیاں رکھیں اُنہیں بادشاہ حقیقی نے نہ صرف اپنی جماعت قرار دیا بلکہ انہیں اپنے اولیاء قرار دے کر ﴿لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ (یونس) کی خوش خبریاں بھی سنائیں۔ مزید برآں اپنی قدرت کاملہ سے اُنہیں مدد ونصرت بھی باہم پہنچاتا رہا۔ کبھی رسولوں کے ذریعے رشد و ہدایت کا سامان کر کے اور کبھی میزان عدل وقسط عطا کر کے اپنی رحمت کے در وا کئے۔ کبھی معجزانہ مدد وامداد کر کے انہیں ''رحمت لدنی'' کی آغوش میں لیا تو کبھی کافروں کے دلوں میں محض ان کا رعب ودبدبہ طاری کر کے ان کی دھاک بٹھا دی۔ دوسری طرف شیطان بھی اپنے گروہ کو ابھارنے اور اکسانے کے کام سے غافل نہ رہا۔ اُنہیں برائی اور بے حیائی کے کام خوبصورت اور مزین کر کے دکھاتا رہا اور اِسی کو تہذیب وتمدن کا شاہکار سمجھاتا رہا۔ مزید

برآں بعض حرص و ہوس کے بندوں کو صحیح راستے سے منحرف کرنے کے بعد اُنہیں ایسے دلائل ازبر کرائے کہ ان کی مدد سے وہ ایک طرف ضمیر کی خلش مٹا سکیں تو دوسری طرف اہلِ حق سے مجادلہ وتعرض کی صورت میں انہیں دلائل کے علمی سطح پر ابلاغ کے ذریعے بندگانِ خدا کو حق کے معاملے میں مغالطے اور مخمصے میں مبتلا کرنے کا کام بحسن وخوبی انجام دے سکیں اور اس طرح حق کو دبادیں ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰىٓ اَوْلِيٰۗـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ (الانعام:۱۲۲) ''بیشک شیاطین اپنے دوستوں کو پیغامات بھیجتے ہیں تا کہ وہ تم سے مجادلہ کرسکیں'' اور ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ (الکہف:۵۶)''اور کافر باطل دلائل سے تکرار کرتے ہیں تا کہ اس طرح حق کو دبا سکیں''۔

شیطان کے اس آخرالذکر حربے کا تفصیلی تذکرہ موجودہ حالات کے تناظر میں ضروری محسوس ہوتا ہے۔مغرب کے سیاسی وعسکری تسلط کے بعد تہذیبی وثقافتی سطح پر اسلام اور مغرب کے درمیان متصادم نظریات کی خلیج پاٹنے کی جس صحیح ودرست ضرورت کا احساس سرسید احمد خان کو ہوا اُس کے لئے جب کوئی غزالی اور ابنِ تیمیہ میسر نہ آسکا تو بدقسمتی سے اس کام کے لئے وہ لوگ آگے بڑھے جو مغرب کی طاقت سے خوفزدہ' اُن کے فکر وفلسفہ سے متاثر اور اُن کی تہذیب وتمدن ہی کو ترقی کا زینہ سمجھتے تھے۔ پھر مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ رفتہ رفتہ اس مقام پر حرص وہوس کے ایسے غلاموں نے قبضہ جمالیا جن کا مقصد دینِ اسلام کی ایسی تصویر کشی کرنا تھا جو مغرب کے لئے قابل قبول ہوسکے۔اس کام کے لئے حدیث کا انکار کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ کیونکہ قرآن کی آیات کو حسب خواہش معنی دینا اس کے بغیر ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث مغربی تعلیم سے آراستہ ذہنوں میں بڑی آسانی سے سرایت کرتا چلا گیا۔ چنانچہ اس وقت الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ اربابِ بست وکشاد کے لئے چہیتے اور مقبول ترین وہ مفکرین و دانشور ہیں جو اسلام کی نوک پلک مغربی خاکے سے ہم آہنگ کر کے سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں۔موسیقی' ستر وحجاب' عورت کی گواہی' عائلی قوانین' ربا اور جہاد وقتال وہ موضوعات ہیں جن کی سرجری کی جاتی ہے اور جس کے لئے دلائل قرآن مجید سے حاصل کرنے کے لئے اُس کی آیات کو احادیث وسنت سے علیحدہ کر کے اور بعض اوقات سیاق وسباق سے بھی کاٹ کر من پسند معنی پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس طرح عام ذہن شکوک وشبہات کا شکار رہتا ہے۔سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کے لئے ایسے لوگوں کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾
''وہ بہتوں کواس کے ذریعے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کواس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ تاہم وہ اس کے ذریعے گمراہ صرف حکم سے نکل جانے (انحراف کرنے) والوں کو کرتا ہے''۔

پھران منحرفین کی حقیقت مزید اجاگر کرنے کے لئے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾
''وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور اُن رابطوں کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں''۔

قرآنِ مجید میں اللہ کے میثاق کا ذکر بادشاہِ حقیقی کی اطاعت ووفاداری (جس میں بغاوت فروکرنا شامل ہے) کے لئے آتا ہے۔ یہ لوگ اُس عہد کو توڑتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیرتِ ایمانی اور حمیتِ دینی سے محرومی اختیار کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُسے توڑتے ہیں۔ اِس میں رحمی رشتے شامل ہیں۔ تاہم وہ معاملہ اس سے بالاتر ہوگا جس کے لئے رحمی رشتے بھی پسِ پشت ڈالنا تقاضائے ایمانی قرار پائے، یعنی دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے آپ کو نظم سے جوڑنا، جس کا حکم دیا گیا ہو

((آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ: بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

اور جس کے بغیر دعوائے اسلام خیالِ خام ہو:

((لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ وَلَاجَمَاعَةَ اِلَّا بِالْاَمَارَةِ وَلَا اَمَارَةَ اِلَّا بِالسَّمَاعَةِ وَلَا سَمَاعَةَ اِلَا بِالطَّاعَةِ))

اس سے جان بوجھ کر انحراف کرنے والے اور نتیجتاً زمین میں جاری بغاوت وفساد کو گوارا کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جو قرآن سے ہدایت کی بجائے گمراہی لیتے ہیں۔

سورۃ المجادلہ میں حزب الشیطان کے ذکر کا اختتام ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ کے الفاظِ مبارکہ پر ہوا جبکہ سورۃ البقرۃ میں اِن فاسقین کے ذکر کا خاتمہ ﴿اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ کے الفاظِ مبارکہ پر ہوا، جس سے اس گروہ کا حزب الشیطان سے ربط وتعلق نکھر کر سامنے آتا ہے۔ امریکہ کے چوٹی کے تھنک ٹینک رینڈ فاؤنڈیشن نے

اپنے حکمرانوں کو مسلمانوں میں سے ایسے دانش گروں کو تلاش کرنے کا مفیدِ مطلب مشورہ یوں ہی نہیں دیا ہے۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود اس دانشور گروہ کے مقابلے میں لَا حَوْلَ پڑھنے کی بجائے اگر کوئی اُن کے طرزِ استدلال پر ہمدردانہ رویّہ رکھ کر اشکالات کا شکار ہو کر ریب وتشکیک میں مبتلا ہو جائے تو اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوتا ہے۔

اہلِ ایمان کے لئے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے: ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۞ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۞﴾ (القلم) ''سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا۔ وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں''۔ اور ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۞﴾ (الکہف) ''اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اُس کا کام ہے حد پر نہ رہنا''۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو غیروں کی خواہش کے لئے ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ﴾ (یونس:۱۵) ''اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لے آ یا اسے تبدیل کر دے'' کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر یہودی پروٹوکالز کا مطالعہ کیا جائے تو جو شخص یہودیوں کے بڑوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اپنا ایجنڈا سامنے لاتا ہے، وہ بے اختیار ابلیسِ لعین ہی محسوس ہوتا ہے۔ شاید اسی احساس کے زیرِ اثر علامہ اقبال نے مشہورِ زمانہ نظم ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کہی تھی۔ بہرحال موجودہ حالات کے تناظر میں شیطان کا اپنے گروہ کو مدد دینے کی ایک امکانی صورت ہمارے سامنے آشکارا ہوتی ہے جس کی طرف اشارہ ﴿اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ کے الفاظ میں ہوا ہے۔ اور اس طریقے سے اس دارالامتحان میں وہ ان دانش گروں کی ناکامی وخسران کا باعث بنتا ہے۔

قرآن کے مطالعے سے تاریخ کا یہ سبق بھی سامنے آتا ہے کہ مرورِ ایام کے ساتھ حزب اللہ ہی شیطان کے پھیلائے جال میں آ کر حزب الشیطان قرار پاتی رہی۔ ابتدائے آفرینش کی خبر یہ ہے کہ ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (البقرۃ:۲۱۳) ''لوگ ایک ہی اُمت تھے'' یعنی حزب اللہ تھے۔ لیکن ﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ کے باعث وہ پھٹ گئے اور حزب الشیطان کی بنیاد پڑ گئی۔ مختلف ادوار میں اللہ تعالیٰ حزب الشیطان کو نیست ونابود کر کے روئے ارضی پر حزب اللہ کو غالب کرتا رہا۔ آخر کار یہود اس منصب (حزب اللہ) پر فائز کئے گئے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے وہ بھی حزب الشیطان قرار پائے۔ مزید برآں نبی آخر الزماں ﷺ کے دور میں بھی حاصل شدہ موقع ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ﴾ سے فائدہ نہ اُٹھا

سکے۔ نتیجتاً وہ حزب الشیطان کا ہراول دستہ اور سرگرم گروہ ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنی سازشوں کے ذریعے عیسائیوں کو اپنا آلہ کار بنالیا' جس کی پیشین گوئی قرآن حکیم نے سورۃ المائدہ میں بایں الفاظ کی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ﴾ (آیت ۵۱)

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانا' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے تشکیل پانے والی حزب اللہ بھی شیطان اور اُس کے ان حواریوں کی سازشوں سے محفوظ نہ رہ سکی اور رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی تعارف سے محروم ہوتی چلی گئی۔ مراسم عبودیت کے طور طریقوں پر تو کاربند رہی لیکن اللہ کی بادشاہی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی آلہ کار ہو گئی' اور انہی یہود و نصاریٰ کی دوستی کا دم بھرنے لگی' جس سے اُسے منع کیا گیا تھا' بلکہ اُن کی دوستی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ شروع کر دی۔ واضح رہنا چاہئے دوستی سے مراد باہم خلط ملط اور میل جول بڑھانا ہی نہیں ہے بلکہ اُن جیسے طور طریقے' وضع قطع' پسند و ناپسند اختیار کرنا' آدابِ معاشرت اور تہذیب و تمدن میں اُن کی نقالی کرنا' شرم و حیا اور ستر و حجاب کے احکامات کی پروا کئے بغیر اُن کی ثقافت کی چکا چوند کا دل دادہ ہونا اور اُن کے فیشن و رسم و رواج پر دلی آمادگی کے ساتھ چلنا بھی دوست بنا لینے کے زمرے میں آتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

اِس مرض میں صرف مسلمان حکمران ہی گرفتار نہیں ہیں بلکہ مسلم عوام بھی یکساں طور پر مبتلا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا قرآن کے اس فتوے ﴿مَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ ''تم میں سے جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا وہ بلاشبہ انہی میں سے ہوگا'' کا اطلاق ہر ایک پر اس کی فریفتگی اور سپردگی کے مطابق ہوتا ہے۔ گویا یہ بھی حزب الشیطان کا حصہ ہیں۔ یعنی وہ حزب اللہ سے نکل چکے ہیں۔ اسی طرف راہنمائی سورۃ المائدہ کے مذکورہ رکوع میں اِن الفاظ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ﴾ (آیت ۵۴) کے ذریعے کی گئی ہے۔ اور صاف بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسوں کو معزول کر کے انہی کو حزب اللہ کا حصہ تسلیم کرے گا جو درج ذیل اوصاف کے مالک ہوں گے:

i) وہ (اللہ) اُن سے محبت کرتا ہوگا اور وہ (اہلِ ایمان) اُس (اللہ) سے محبت کرتے ہوں گے۔

ii) اللہ کی محبت میں وہ اہلِ ایمان کے لئے (بریشم کی طرح) نرم اور نہ ماننے والوں کے لئے (فولاد کی طرح) سخت ہوں گے۔

iii) اور اس کی محبت ہی کا ایک مظہر یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے اور کسی کی ملامت کی پرواہ کرنے والے نہ ہوں گے۔

اللہ کی محبت اپنے بندوں کے لئے نقطۂ عروج کو تب پہنچے گی جب بندوں کی اپنے رب کے لئے محبت بصورتِ قتال نقطۂ عروج پر نظر آئے گی۔﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصف:۴) ''اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں اُس کی راہ میں گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں'' دوسری طرف اللہ سے اُن کی محبت کا تذکرہ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہے' جس کی تفصیل سورۃ المجادلہ میں بایں طور کی گئی:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ط اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ط وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴾

اور سورۃ المائدۃ میں انہی کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ﴾

حزب اللہ میں شمولیت کے لئے ان اوصاف کی اہمیت اس حقیقت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ظاہری طور پر حزب اللہ میں شامل کسی فرد میں یہ مطلوبہ اوصاف نہ ہوں تو وہ بھی عند اللہ حزب الشیطان کا حصہ قرار پائے گا۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور برادری اور مال جو تُم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں لڑنے سے' تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

اسی طرح

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ (المجادلة)

''کیا آپ نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اُس قوم کے جن پر غضب ہوا اللہ کا' نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ اُن میں سے ہیں' اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر حالانکہ وہ اس کو جانتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب۔ بے شک بہت برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔ بنا رکھا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے' تو اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ کام نہ آئیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی۔ وہ لوگ ہیں دوزخی' وہ اُسی میں پڑے رہیں گے۔ جس دن جمع کرے گا اللہ اُن سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اُس کے آگے جیسے قسمیں کھاتے ہیں آپ کے سامنے اور گمان رکھتے ہیں یہ کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ سن رکھو یہی ہیں دراصل جھوٹے۔ قابو پا لیا ہے اُن پر شیطان نے پھر بھلا دی ان کو اللہ کی یاد۔ یہ لوگ ہیں شیطان کا گروہ۔ خبردار ہو جاؤ کہ شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے''۔

اللہ کا غضب وغصہ اور بیزاری جیسی اہل کفر پر ہوتی ہے' ویسی ہی ایسے ماننے والوں پر بھی ہوتی ہے جو اس بادشاہ حقیقی کے دین کے لئے تن من دھن لگانے سے پہلو تہی کرتے ہوں۔ یہود نے جب اس تقاضے سے دامن چرایا تو ان پر ﴿ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کی دھتکار پڑی' اور موجودہ اُمتِ مسلمہ کو سورۃ الحدید میں یوں جھنجوڑا گیا:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ ﴾

''اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے' اللہ پر' اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر' اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر تم ماننے والے ہو۔''

اور

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ﴾ (آیت ۱۰)

''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں' اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہے ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں۔''

اور پھر سورۃ الصّف میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ اگر تم یہ تقاضا پورا نہ کرو گے تو تم بھی اللہ تعالیٰ کے غضب و غصے اور بیزاری کے حقدار ٹھہرو گے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ ﴾

''اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو منہ سے جو کرتے نہیں؟ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو''۔

ایسے ہی لوگ پھر منافقین کہلائے۔ جو اللہ کے رستے پر تو چلنا چاہتے ہیں لیکن ذرا بچتے بچاتے ہوئے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَاوَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ ﴾ (الحج)

''اور کوئی شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر' پھر اگر پہنچی اس کو بھلائی تو قائم ہو گیا اُس عبادت پر' اور اگر پہنچ گئی اُس کو مصیبت تو پھر گیا الٹا اپنے منہ پر' گنوائی اُس نے دُنیا اور آخرت' یہی ہے صریح خسارہ''۔

تاہم امتِ مسلمہ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ آخری رسول ﷺ کی آخری امت ہے' لہٰذا یہ یہود اور دیگر اُمم کی طرح مجموعی طور پر کبھی حزب الشیطان نہ بنے گی۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس اُمت میں ایسے اعظم الرجال پیدا کرتا رہا جو بھولی ہوئی منزل یاد دلاتے رہے۔ پھر ان لوگوں کی تجدیدی مساعی پر ایک مدت بیت جاتی رہی تو جیسے سابقہ اُمتیں اپنے انبیاء ورسل کی تعلیمات سے رُوگردانی کرتی رہیں اور محض سہانی اُمیدوں کے سہارے جینے لگیں ایسے ہی ان بزرگانِ دین کے متوسلین بھی ان کی تعلیمات سے منحرف ہو کر فرقے کی صورت اختیار کرتے رہے۔ اِن میں سے بعض مٹ چکے ہیں اور بعض آج بھی موجود ہیں۔ اِن کثیر فرقوں میں سے جو رسولِ کامل ﷺ اور صحابہ ؓ کے طریقے (حزب اللہ کے اوصاف) پر ہوگا وہی مراد پائے گا۔

تاریخ کا سبق یہ بھی ہے کہ معلوم انسانی تاریخ میں جب کبھی حزب اللہ وجود میں آئی وہ کبھی بھی ایسے ناخالص اور کچے لوگوں سے بالکل پاک اور خالص نہ رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی اکثریت بچ بچا کر چلنے والوں پر مشتمل تھی' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جدوجہد کے اہم اور نازک ترین مرحلے پر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف جواب دے دیا کہ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدۃ:۲۴) ''سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو' ہم تو یہیں بیٹھے ہیں''۔ اس طرح قتال سے منہ موڑ کر انہوں نے اپنی اس بیماری کا ثبوت فراہم کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (الصف:۵) ''پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو کج کر دیئے اللہ نے اُن کے دل' اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ ساتھیوں میں سے ایک انعام کے لالچ میں دھوکہ کر گیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہنے والوں میں ایسے ہی مریض لوگوں کی جمعیت کی موجودگی پر قرآن کی آیات گواہ ہیں۔ حضرت حسین ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کوفی تھے جو لَا یُوْفِی ثابت ہوئے۔ تحریکِ شہیدین کو بھی سب سے زیادہ نقصان اُن بیعت کرنے والوں نے ہی پہنچایا جو اپنے مفادات اور خواہشات کی قربانی دینے کے لئے ذہناً تیار نہ ہوئے تھے۔ عصرِ حاضر میں دینی و مذہبی جماعتیں بھی ایسے ہی لوگوں کے قبضے میں آ کر منزل کھوٹی کر چکی ہیں۔ غرض کوئی جماعت یا تحریک نہ تو ایسے روگیوں سے مبرّا قرار دی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کے مستقل حزب اللہ رہنے کی ضمانت فراہم کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ آج اگر تنظیمِ اسلامی حزب اللہ کے مقام کے لئے کوشاں ہے تو اس کے رفقاء کو یہ شعور بھی حاصل ہونا چاہئے کہ ابھی امتحان ختم نہیں ہوا۔ حق کو قبول کر لینا کفایت نہیں کرتا۔ اُس کے تقاضے نبھاتے چلے جانا اور ہر آزمائش پر پورا اترنا ضروری اور اہم ہوتا ہے۔ اور آخری وقت تک اس روش پر قائم رہنا اور ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پر عمل کرنا اصل آزمائش ہے۔ جب تک اِس دار الامتحان میں ہیں تب تک ع ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں'' مستحضر رہنا چاہئے۔ یہی وہ احساس ہے جو رفقاء تنظیم اسلامی کو ہوشیار اور چوکنا رکھ سکتا ہے کہ انہیں اب بھی حزب الشیطان میں شمار ہو جانے کا خطرہ درپیش ہے' بلکہ اس کی ہلاکت خیزی اور تباہ کاری پہلے سے بڑھ چکی ہے۔ حق کو قبول کر کے پسپائی اور باطنی ارتداد اختیار کرنے کی سزا زیادہ کڑی اور سخت ہے۔ یہ تو بدبختی اور بدنصیبی کی وہ انتہا ہے جہاں پہنچ کر نہ صرف نبی رحمت ﷺ کی شفاعت اور استغفار سے محرومی نصیب ہو سکتی ہے بلکہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کی سزا بھی مقدر ہو سکتی ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ سوال بڑے گہرے غور و فکر اور سنجیدہ سوچ بچار کا طالب ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس رُوگ کا سبب کیا ہے؟ کس وجہ سے انسان اس ہلاکت خیز انجام سے دوچار ہوتا ہے؟ قرآنِ مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی و حقیقی سبب تکبر ہے۔ درحقیقت تکبر ہی وہ بیماری ہے جو اُمّ الامراض ہے۔ یہ وہ تباہ کن بیماری ہے جس کی کوکھ سے جھوٹ' کینہ' حسد' بغض' مال و دولت دنیا کی محبت' انانیت' ضد' ہٹ دھرمی اور حسب نسب کے جھگڑوں جیسی خبائث جنم لیتی ہیں۔ اللہ کے مقابلے میں ساری سرکشی اور بغاوت نے اسی اُمّ الخبائث سے جنم لیا ہے۔

ایک حدیث قدسی کے الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کے کاندھے کی چادر ہے' جو تکبر اختیار کرتا ہے وہ اُس (اللہ تعالیٰ) کے کاندھے کی چادر کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بھلا جو اللہ تعالیٰ کے کاندھے کی چادر کھینچنے کی کوشش کرے' اس سے بڑا باغی' سرکش' بے حیا اور ڈھیٹ کون ہو گا؟ یہی وجہ ہے کہ از روئے حدیث نبویؐ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر کبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا باطنی تزکیہ کرنے کے لئے اور شیطانی واردات سے بچنے کے لئے تکبر اور اُس کے ظواہر کی گہری اور شعوری پہچان از بس ضروری ہے۔

تکبر کا مادۂ اصلی کبر ہے' جس کا لفظی معنیٰ بڑائی ہے۔ بابِ تفعل میں اس کا معنیٰ بڑا بننے

کی کوشش کرنا اور بڑا بننے کے لئے مقابلہ کرنا ہوگا۔ بڑا بننے کی خواہش انتہائی مضبوط اور بنیادی محرکِ عمل شمار ہوتا ہے۔ جدید نفسیات میں اسے The urge to dominate (غلبہ پانے کی خواہش) کہا جاتا ہے۔ ایڈلر نے محرکاتِ عمل میں اسے بنیادی اور اساسی قرار دیا ہے اور دیگر محرکاتِ عمل کو اس کی فروعات شمار کیا ہے۔ بڑا بننے کی یہ خواہش ابتداءً مخلوقات کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہے اور بالآخر اللہ کے مقابلے میں بھی بڑا بن جانے پر منتہی ہوتی ہے۔ یہود نے پہلے مخلوقات کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا قرار دیا (We are the chosen people of the Lord) اور بالآخر اللہ کے مقابلے میں بھی اکڑ گئے۔ اس لئے کہ اُس نے اُمیوں میں سے آخری رسول ﷺ بھیج کر اُن کی بڑائی کے تصور کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ یہی معاملہ ابلیس لعین کا نظر آتا ہے۔

جو جماعتیں یا افراد دوسروں پر اپنی برتری اور فضیلت کے قائل ہو چکے ہوں وہ قبولیتِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۞ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۞ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞﴾ (یٰسٓ)

''ان میں سے بہتوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ نہ مانیں گے۔ ہم نے ڈالے اُن کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر ان کے سر اُلل رہے ہیں۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار پھر اوپر سے ڈھانک دیا ان کو پس کچھ نہیں سوجھتا۔ اور برابر ہے اُن کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے یقین نہیں کریں گے''۔

قبولیتِ حق سے محرومی کے سبب کو قرآن نے کتنی بلاغت سے بیان کیا ہے کہ اُن کے کبر کی وجہ ہوتی ہے اُن کے ماضی کی اعلیٰ اقدار، اُن کے بزرگوں کی قائم کردہ شاندار روایات اور اِن بزرگوں کے متوسلین سے ان کا تعلق، جو مستقبل میں ان کے جنت میں داخلے کے لئے کفایت کرے گا۔ لٰہذا سرشاری اور سرمستی کی اس کیفیت میں وہ حق کو بہرے کانوں سنتے ہیں ﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ کے انداز میں حق کا استہزاء کرتے ہیں اور ﴿یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ (ہود:۹۱) کہہ کر نہ صرف اپنے بڑے پن اور مستند ہونے کو تسلیم شدہ حقیقت ہونے کے زعم کا اظہار کرتے ہیں بلکہ حق کے بارے میں عام لوگوں کو یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے

ہیں کہ اِن کی باتوں کی حقیقت چیستاں سے زیادہ نہیں وگرنہ ہم جیسے دانشور اُس کے فہم سے قاصر نہ رہتے۔

اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ یہ تکبّر رائی کے دانے کے برابر والا نہیں ہے' یہ تو کوہِ احد سے بڑھ کر ہے۔ تاہم رائی کے دانے سے لے کر کوہِ احد کے بیچوں بیچ یہ بیماری ایمانِ حقیقی ہی کی طرح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ چنانچہ قبولیتِ حق کا مطلب تکبّر سے چھٹکارے کی سند نہیں ہے' کیوں کہ اُس کے درجے کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ اُس کے ظواہر بدلتے رہیں گے۔ معاشرے میں اچھا مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کے لئے مال و دولت کی ہوس یا قرآنی الفاظ میں زینت حیاتِ دُنیوی کے حصول کی بھاگ دوڑ کے باعث انسان حق کے غلبے کی جدوجہد کے لئے وقت کا ایثار نہ کر سکے یا وقت آنے پر دنیوی مفادات کی قربانی نہ دے سکے تو پہلی رکاوٹ عبور کرنے کے باوجود وہ دوسری رکاوٹ عبور کرنے میں ناکام رہ جائے گا۔ اور قبولیتِ حق کے باوجود اُس کی زندگی کا اصل ہدف کاروبارِ حیاتِ دنیوی کو پھیلانا اور بڑھانا ہی رہے گا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ (الکھف)

''وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام۔''

یعنی اگر وہ تھوڑی بہت بھاگ دوڑ حق کے لئے بھی کریں تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی اس کوشش کی حیثیت سراب سے زیادہ نہ ہوگی۔

﴿ وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ﴾ (الفرقان)

اگر کوئی یہ دوسری رکاوٹ بھی عبور کر لیتا ہے اور۔

میں حرص و ہوس کو چھوڑ چکا
اِس نگری سے منہ موڑ چکا

کے مصداق اپنا کیریئر' اپنا کاروبار' اپنی برادری و رشتہ دار' اپنی حیثیت و مرتبہ اور اپنا گروہ و تعلق دار ایک طرف رکھ کر حق کے لئے دِن رات ایک کرنے لگے تو کیا وہ کبر سے نجات پا گیا؟ جی نہیں! بلکہ وہ اب پہلے سے زیادہ خطرے میں ہے۔ اُس کے لئے ابھی ایک اور رکاوٹ ہے۔ جس کے خلاف اُسے مسلسل جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس رکاوٹ کی

حقیقت سمجھنے سے قبل قرآن مجید سے ایک کردار کی مثال پیشِ نظر رہنی چاہئے تا کہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ ع ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں''! یہ مثال کسی اور کی نہیں' ابلیسِ لعین کی ہے۔ زمین پر انسان سے قبل جنات آباد تھے۔ انہوں نے بڑا فساد کیا اور زمین میں سرکشی اور بغاوت کی انتہا کر دی۔ اُن کے فساد کو مٹانے کے لئے عزازیل نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اُس کی دن رات کی (بظاہر) مخلصانہ محنت اور تگ و تاز کے نتیجے میں یہ فساد ختم ہوا۔ جب زمین کی خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تو اپنی اسی محنت اور سرفروشانہ مجاہدے کی بنیاد پر وہ خلافت پر اپنا استحقاق جتلانے لگا اور آدمؑ کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھا۔ لیکن جب خلافتِ ارضی آدم کو دینے کا فیصلہ ہوا تو وہ اللہ کے مقابلے میں بھی اَڑ گیا اور اُس کے حکم سے نکل گیا۔ قرآن نے کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْن کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی محنت وکوشش اور حق کے لئے ایثار وقربانی ایمان کے جذبے کے تحت نہ تھی بلکہ غلبہ پانے کی خواہش کے زیرِ اثر تھی۔ پس معلوم ہوا کہ تکبر اپنا اظہار مجاہدانہ اور بے باکانہ محنت وکوشش میں بھی کر سکتا ہے اور درویشانہ وخاکسارانہ عجز وانکسار کی صورت میں بھی۔ مزید برآں یہ کہ پہلی دور کاوٹیں عبور کرنے کے بعد اس مقام پر ناکام ہونے کا مطلب لعنتی ہونا یعنی راندۂ درگاہ ہونا ہے۔

شیطان کی مثال کے ذریعے ہم نے دیکھا کہ جس سفر کا آغاز غلبہ حق کی محنت و جدوجہد سے ہوا اُس کا انجام کیا ظاہر ہوا۔ بہرحال اِس پورے عمل کو سمجھنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو سنتوں کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایک سنت ''استدراج'' اور دوسری سنت ''تطہیر بذریعہ آزمائش'' ہے۔

(ا) لوگوں پر متکبر کی حقیقت کھولنے سے قبل اللہ تعالیٰ خود اُس کے رائی جتنے تکبر کو پہاڑ بنانے کے حالات پیدا کرتا ہے۔ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی میں اس طرف اشارہ ہے۔ اور اسی حقیقت کو سمجھانے کے لئے فرمایا: ﴿فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا﴾ (البقرہ: ۱۰) کسی مریض کو اُس کے مرض میں مزید بڑھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی سنت استدراج روبعمل آتی ہے۔ انسان کی محنت کے ثمرات ظاہر ہونے لگتے ہیں' یہاں تک کہ ایمانی کیفیات میں ترقی محسوس ہونے لگتی ہے۔ بعض صورتوں میں سرفروشانہ جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے لگاؤ اور ذکر واشغال کی طرف خصوصی رجحان اور انشراح ہوتا ہے۔ بعض مشقت طلب تعبدی اعمال جیسے ''نَاشِئَۃَ اللَّیْلِ'' جیسا سخت کام کرنے میں دقت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اس سب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ سمجھنا شروع کر دے کہ

اور باقی تو بس گزارا ہیں۔ چنانچہ اختلاف جو اجتماعیت کے لئے رحمت ہوتا ہے اس سوچ کے نتیجے میں وہ بَغْيًا بَيْنَهُمْ کی صورت اختیار کر لے گا۔ رفق و رفاقت کی جگہ ضد اور عداوت لے لیں گی۔ پوشیدہ روگ ترقی پا کر اُس مقام تک پہنچ جائے گا کہ شعور حاصل ہو چکنے کے باوجود اعمال کی مستی اور سرشاری کی دبیز چادر تان لے گا۔ اس طرح سنت استدراج کے ذریعے اللہ تعالیٰ تکبر کے مریض کو اس کی بیماری میں ترقی دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر چیونٹی کو یہ سارے پَر اس لئے لگائے جاتے ہیں تا کہ وہ آخری انجام تک کشاں کشاں بڑھتی چلی جائے۔ اسی حقیقت کو پیارے نبی ﷺ نے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ (اعمال کا دارومدار اُن کے خاتمے پر ہے) کے قولِ بلیغ کے ذریعے سمجھایا ہے۔

(ii) حزب اللہ چونکہ اللہ کی پارٹی ہوتی ہے لہٰذا ایسے متکبرین سے حزب اللہ کو پاک صاف رکھنے کا کام اللہ تعالیٰ خود کرتے ہیں۔ اس تطہیر کے لئے اہلِ حق پر آزمائشیں آتی ہیں۔ کبھی خارجی حالات میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور کبھی داخلی صورت حال خوفناک ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال اہلِ ایمان کے لئے درجات بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے اور متکبرین کے لئے عذاب کی صورت ہوتی ہے۔ اِس سے سچوں اور جھوٹوں کی پہچان ہوتی ہے۔ ازروئے الفاظ قرآنی:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (العنکبوت)

''اور تحقیق ہم نے آزمایا ہے اُن کو جو اِن سے پہلے تھے' تو اللہ لازماً جان لے گا سچوں کو اور ضرور جان لے گا جھوٹوں کو''۔

علماء نے ''اللہ جان لے گا'' کی تفسیر کی ہے کہ اللہ تو جانتا ہے' یہاں مراد ہے کہ دوسرے بھی جان لیں۔ یعنی اللہ تو اس کی بیماری کو جانتا ہے' لیکن وہ چاہتا ہے کہ نہ جاننے والے بھی جان لیں کہ کس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بقول ایک عارف کے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی عمارت میں کچی اینٹ نہیں لگاتا۔ اپنے آپ کو پکا لو (تزکیہ کر لو) وگرنہ اللہ تعالیٰ کچوں کو کچی اینٹ کی طرح الگ کر دے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ نفس کے اس منہ زور داعیے کو کیسے کچلا جائے۔ لیکن کچھ کرنے سے قبل یہ طے کر لیجئے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ جس خالق نے انسان کو بنایا اُسی نے انسان کے اندر مختلف داعیات رکھے۔ اسے بھوک لگتی ہے' وہ کھانا

کھاتا ہے' اُس کی جنسی خواہش ہے' وہ شادی کرتا ہے اور حدود اللہ میں رہتے ہوئے اپنی اِن خواہشات کی تسکین کرتا ہے۔ وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کسب حلال کرتا ہے تو یہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ اِسی طرح اپنے بیوی بچوں کی پرورش وتربیت کرتا ہے تو یہ صدقہ جاریہ ہے۔ اِسی طرح غلبہ پانے کی جبلی خواہش اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھی ہے جو فی نفسہٖ شر نہیں ہے۔ اِس کا استعمال اسے شر یا خیر بنائے گا۔ اگر اس کے ذریعے انسان زینتِ دنیا کی دوڑ میں لگ جائے' سٹیٹس اور معیار کے چکر میں پڑ جائے' کچھ نیک اعمال کے ذریعے علوّ ذات کے لئے کوشاں ہو جائے یا دین کی خدمت کے ذریعے دوسروں پر اپنی فضیلت اور برتری کی دھاک بٹھانے کی سعی کرنے لگے تو یہ شر ہے۔ لیکن اس کو غیرتِ دینی اور غلبہ اسلام کے لئے استعمال میں لائے نہ کہ اپنی ذات کے لئے تو یہ خیر ہے۔ جس طرح پیٹ کے بھر جانے کے باوجود دل نہ بھرنا اور جنسی لذت کی خاطر ذائقہ بدلنے کی صورتیں بگاڑ اور بیماری کی علامات ہیں اسی طرح دینی محنت وخدمت کے بدلے ذاتی برتری کی خواہش ''کبر'' کی بیماری کہلائے گی۔

لہٰذا اس جذبے کو کچل دینا تزکیہ نفس نہیں ہے' بلکہ اس پر پوری طرح قابو پانا اور درست استعمال کرنا اور درست استعمال میں راسخ ہوتے چلے جانا تزکیہ کہلائے گا۔ یہ تو وہ گھوڑا ہے جس پر آپ نے سواری کرنی ہے۔ یہ منزل تک پہنچنے میں مددگار ومعاون ہے۔ یہ جتنا توانا و طاقتور ہوگا اتنا ہی فاصلہ زیادہ طے کر سکے گا۔ اس کی کمزوری سے سوار طویل وقت میں تھوڑا ہی سفر کر سکے گا۔ لیکن یہ جتنا توانا ہوگا اتنا ہی اس بات کا بھی امکان رہے گا کہ کہیں سوار ہی کو نہ پٹخ دے۔ لہٰذا ہوشیار' چوکنا اور مستعد رہنے کی ضرورت ہوگی۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جو غلبۂ دینِ حق کے لئے جتنی زیادہ بھاگ دوڑ اور سعی و جہد کر رہا ہوگا اُس کا یہ جذبہ بھی اُتنا ہی توانا و طاقتور ہوگا۔ اِس مقام سے اگر اُس کا یہ جذبہ غلبۂ ذات کی طرف منتقل ہوگا تو یہ اُحد پہاڑ جتنا کبر بنے گا نہ کہ رائی کے دانے کے برابر۔ لہٰذا غلبۂ دینِ حق کی خاطر ایثار وقربانی کے حوالے سے اور سعی وعمل کے اعتبار سے جو جتنے بلند مقام پر فائز ہوگا وہ اُتنے ہی خطرے سے بھی دوچار ہوگا۔ اگر اِس حقیقت کا احساس قلب میں جاگزیں ہو گیا ہو تو درج ذیل شعر کا مفہوم سمجھ میں آئے گا۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش!

اب آیئے اس سوال کی طرف کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ کون غلبہ دینِ حق کے لئے کوشاں ہے اور کون غلبہٴ ذات کا متمنی ہے؟ اس سوال کا جواب پانا بہت ہی مشکل ہے۔ اس لئے کہ غلبہٴ دینِ حق کے نتیجے میں جدوجہد کرنے والے افراد کا ہی غلبہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دین تو غالب ہو اور اُس دین کی جدوجہد کرنے والا غلبہ سے محروم رہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنافقون: ۸) لہٰذا دیکھنے والے کے لئے طے کرنا ناممکن ہے کہ وہ فیصلہ دے سکے کہ کسی کی جدوجہد علو ذات کے لئے ہے یا غلبہٴ دین کے لئے۔ تو جب منفی یا مثبت رائے قائم کرنے کی ظاہری اور واقعی صورت ممکن نہ ہو تو ظن اور تخمین ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی ظن گناہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ آدمی ظن کی بنیاد پر منفی رائے قائم کرے بہتر یہی ہے کہ حسنِ ظن کی بنیاد پر مثبت رائے رکھے۔ باقی ہر فرد کا معاملہ اُس کے رب کو خوب معلوم ہے جو عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ چنانچہ دوسروں میں تجسس کرنے کی بجائے اپنی فکر کرے اور اپنے خیالات' احساسات اور جذبات کا شعوری تجزیہ کرتا رہے کہ کہیں غلبہٴ دین کی جدوجہد کے دوران غیر محسوس طور پر غلبہٴ ذات کی خواہش نے تو انگڑائی نہیں لے لی ہے۔ اس تجزیے کے لئے درج ذیل امور پر ہمیشہ توجہ رہنی چاہئے:

(i) آدمی اپنے ہر عمل کے بارے میں کوشش کرے کہ وہ عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے' جس کا لازمی مطلب یہ ہونا چاہئے کہ لوگوں کی طرف سے تعریف و توصیف' حوصلہ افزائی یا داد پانے کی کوئی آرزو نہ ہو۔ ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ (الدھر) ''ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی کو' نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں''۔ دوسرا یہ کہ وہ عمل صرف آخرت میں اجر پانے کے لئے کیا جا رہا ہو۔ آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں دنیا میں دین کے غلبے کی خواہش بھی ثانوی درجے میں چلی جائے۔

اِن دو باتوں کو سمجھنے کے لئے تین اشخاص کا واقعہ بڑا عبرت آموز ہے کہ آخرت میں تین افراد اللہ کی عدالت میں کھڑے ہوں گے' جن میں سے ایک سخی ہوگا' دوسرا عالم اور تیسرا شہید۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے احسانات یاد کروا کر پوچھے گا بتاؤ تم نے میرے لئے (آج کی کامیابی کے لئے میری خوشنودی کی خاطر) کیا کیا؟ وہ اپنی اپنی خدمات کا ذکر کریں گے۔ عالم نے ساری زندگی تعلیماتِ دینی عام کرنے میں لگائی ہوگی' سخی نے بڑی سخاوت کی ہوگی اور شہید نے غلبہ دین کے لئے ہونے والی جنگ میں سر کٹایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تینوں سے

باری باری فرمائیں گے کہ تم نے جھوٹ کہا۔ تم نے یہ کام دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے لئے کئے تھے' وہ ہو چکا (تم اپنے ارادے اور نیت کے مطابق اجرت وصول کر چکے۔ چونکہ میری خوشنودی اور آج کی کامیابی تمہارے پیشِ نظر نہ تھی) لہٰذا فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ اِن کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔ اگر اللہ کی خوشنودی تو پیشِ نظر ہو لیکن فلاحِ اُخروی اوّلین ترجیح کے طور پر پیشِ نظر نہ رہے تو عجلت پسندی جنم لیتی ہے' جس سے فرد یا جماعت دنیا میں غلبے کے لئے کسی short cut کی جستجو میں صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ اس طرح رسالت کی اہمیت اور نبوی طریقِ کار کی فضیلت سے محرومی بھی ہو جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والا معاملہ بھی پسِ پشت چلا جاتا ہے اور دین کی خاطر قائم ہونے والی اجتماعیت پر دین تک کی قربانی پیش ہونے لگتی ہے۔ اب بظاہر دین کی محنت درحقیقت ﴿ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔

(ii) دنیا میں انسان کو امتحان کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲) ''جس نے بنایا مرنا اور جینا تا کہ تم کو جانچے کہ کون تم میں سے اچھا کام کرتا ہے''۔ یہ امتحان زینتِ حیاتِ دنیوی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الکہف:۷) ''ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تا کہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کام کرتا ہے''۔ دنیاوی زندگی کی آرائش کی چیزیں کئی ہیں۔ جیسے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا یہاں تک کہ مقام ومرتبہ' حیثیت واقتدار اور طاقت وحشمت بھی دنیا کی زندگی کی زینت ہی ہیں۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ﴾ (یونس:۸۸)

''اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں' اے رب اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے!''

اب یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر کئے گئے نیک اعمال بھی زینت بن کر رہ جاتے ہیں اگر ان پر ناز ہو۔ یعنی وہ رسالت کے معیار پر پورے نہ اُترتے ہوں یا آخرت کو مستحضر رکھے بغیر انجام دیئے گئے ہوں۔ ایسے اعمال میں انسان مست ہو جاتا ہے اور خوفِ آخرت سے نچنت ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ربِّ کریم کی خوشنودی سے بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ ایسے اعمال کی آخرت میں حقیقت کو سمجھانے کے لئے قرآن نے درج ذیل

تمثیلات بیان کی ہیں:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ ﴾ (ابرٰھیم)

''حال اُن لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے عمل ہیں جیسے راکھ کہ اُس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے۔ کچھ ہاتھ میں نہ ہوگا اپنی کمائی میں سے' یہی ہے بہک کر دور جا پڑنا''۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ ﴾ (النور)

''اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں' پیاسا جانے اُس کو پانی' یہاں تک کہ جب پہنچا اُس پر اُس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس' پھر اُس کو پورا پہنچا دیا اُس کا لکھا' اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے''۔

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ ﴾ (الفرقان)

''اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو انہوں نے کیے تھے پھر ہم نے اس کو اُڑتی ہوئی خاک کر ڈالا''۔

پس ثابت ہوا کہ انسان کو اپنے کسی عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے اور ہمیشہ اس حقیقت کو مستحضر رکھنا چاہئے کہ کوئی آدمی محض اپنے عمل سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک فضلِ ربی اُس کی دستگیری نہ فرمائے۔ یہاں تک کہ کسی پوچھنے والے کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی جنت میں جانے کے لئے رب کے فضل کی حاجت ہوگی۔

عدل کریں تے تھر تھر کمبن اُچیاں شاناں والے ہُو
فضل کریں تے بخشے جاون میں ورگے منہ کالے ہُو

(iii) جس طرح انسان کا عمل اُس کے لئے زینت بن جاتا ہے اسی طرح اُس کا علم یا کسی خدا داد صلاحیت کا زینت بن جانا بھی ممکن ہے۔ اگر آپ میں اچھی تقریر کرنے کی صلاحیت ہے' تحریری صلاحیتوں سے مالا مال ہیں' تحریر و تقریر میں الفاظ کی مالا بنا دیتے ہیں' اظہار مافی الضمیر کا ملکہ حاصل ہے' باتوں سے من موہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں' انتظامی

معاملات میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں' تحریکی مزاج کے حامل ہیں یا راہ و رسم بڑھانے اور مخالفین تک کو ساتھ ملانے اور بڑے بڑوں تک رسائی حاصل کرنا اور کام لینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تو کبھی اپنی کسی خصوصی صلاحیت پر نازاں نہ ہوں ۔ روایتی بارہ سنگھے کو ہمیشہ یاد رکھیں جسے اپنی ٹانگیں بھدی معلوم ہوتی تھیں لیکن خوبصورت سینگوں پر نازاں رہتا تھا۔ لیکن جب شیر نے اسے شکار کرنا چاہا تو بھدی ٹانگوں نے تو اسے بھاگنے میں مدد دی لیکن خوبصورت سینگ گھنے جنگل میں اٹک گئے اور وہ شیر کا لقمہ بن گیا۔ جان لیجئے کہ آپ کی بہترین صلاحیت ہی آپ کی کمزوری بن سکتی ہے (پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کی مثال سامنے ہے)۔ لہٰذا شیطان کو موقع نہ دیجئے کہ وہ آپ کی بہترین صلاحیت ہی کے ذریعے آپ کو شکار کر لے۔ آپ اپنی بہترین صلاحیت کو عطیۂ خداوندی سمجھئے' اس پر اللہ کا شکر ادا کیجئے' یعنی اس صلاحیت کو زیادہ سے زیادہ غلبۂ دینِ حق کے لئے بروئے کار لائیے' لیکن اس صلاحیت کی بنیاد پر کبھی کسی خصوصی مقام یا استحقاق کی طلب کو نزدیک نہ پھٹکنے دیجئے۔

(iv) اگر آپ کی محنت ثمر آور ہو رہی ہو' آپ کی کوشش کے نتائج ظاہر ہونے شروع ہو جائیں تب بھی کسی مغالطے میں مبتلا نہ ہوں' کیونکہ نتیجے کا ظہور آپ کی کوشش و محنت پر منحصر نہیں بلکہ ارادۂ خداوندی کا مظہر ہے۔ یہ اصول پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾(القصص:۵۶)''(اے نبی ﷺ) جسے آپ چاہیں گے اُسے ہدایت نہ دے پائیں گے بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے''۔ گویا اس ضمن میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مکہ میں محمد رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم ہستی کی تیرہ سالوں کی شبانہ روز محنتِ شاقہ کے نتیجے میں بمشکل سوا سو لوگ ایمان لائے اور مدینے میں آپ ﷺ کے ایک ادنیٰ غلام حضرت مصعب بن عمیر ؓ کی محض ایک سالہ کوشش سے ستر سے زائد افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ لہٰذا محنت کے بار آور ہونے سے فضیلت نہیں حاصل ہو جاتی۔ چنانچہ کبھی بھی اپنی محنت کے مثبت اثرات سے دھوکہ نہ کھایئے گا۔

(v) جماعتی زندگی میں مشاورت کے دوران اور فیصلوں پر اختلافِ رائے کی صورت میں آپ کے احساسات و جذبات اور آپ کا رویہ اندر کی حقیقت کو آپ پر واضح کرنے میں سب سے زیادہ ممد و معاون ہو سکتے ہیں بشرطیکہ آپ اپنے احساسات و جذبات پر گہری نگاہ رکھ سکیں۔

اس ضمن میں ایک اصول کو حرزِ جان کر لینا خطرات سے بچنے میں کارگر ہو سکتا ہے۔ وہ

یہ کہ اگر چہ مشورہ لینا صاحبِ امر کے لئے لازم ہے لیکن آپ کے لئے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ آپ اسے اپنا حق نہ سمجھیں کہ ضرور آپ سے مشورہ ہونا چاہئے۔ اگر اسے آپ اپنا حق سمجھیں گے تو اُس کی کوئی بنیاد بھی ہوگی' جو اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے ایثار و قربانی' آپ کی محنت' آپ کی علمی برتری اور آپ کی محنت کے حوصلہ افزا نتائج کے عوض یہ آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ سے ضرور مشورہ لیا جائے۔ اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ جس طرح کا مسئلہ درپیش ہوگا اُس مسئلے کے جو ماہرین ہوں گے اُنہی سے مشورہ طلب کیا جائے گا۔ یہی عقلِ عام سے مطابقت رکھنے والی بات ہے۔ جنگی امور کے بارے میں ماہرینِ تعلیم سے رائے لینا ناقابلِ فہم ہے اور شہریوں کی تعلیم و تربیت کے لئے سائنسدانوں سے پوچھنا لاحاصل ہے۔ اس ضمن میں ممتاز فقیہہ ابنِ خویز منداد کی درج ذیل رائے ملحوظِ خاطر رہنی چاہئے۔ ''دینی امور میں حکمران پر اہلِ علم سے مشورہ لینا واجب ہے۔ جنگی امور میں ماہرینِ جنگ سے مشورہ لینا چاہئے۔ عوام کی بہبود کے کاموں میں وجوہ الناس (عوامی نمائندوں) سے مشورہ لینا چاہئے اور ملکی مصالح یعنی ترقیاتی اور تعمیراتی امور میں وزیروں اور ماتحت حکام سے مشورہ لینا چاہئے''۔ چنانچہ اگر صاحبِ امر نے آپ سے مشورہ نہیں لیا اور آپ کو یہ ناپسندِ خاطر ہوا تو جلد از جلد اس کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کیجئے۔

اگر آپ سے مشورہ تو لیا گیا لیکن آپ کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا' اس کے نتیجے میں انقباض پیدا ہوا اور کسی درجے میں بے زاری کے آثار ظاہر ہوئے ہوں تو اگر چہ یہ کبر نہیں کہلائے گا لیکن ہے خطرے والی بات۔ یہ کیفیت بڑھ بھی سکتی ہے اور اجتماعیت میں فساد کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ یہ چیز آخر کار آپ کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ لہٰذا ایسی کیفیت سے بھی جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس ضمن میں اضافی احتیاط بھی درکار ہوگی کہ آپ انجانے میں ''میں'' سے ''ہم'' کی طرف نہ بڑھنا شروع کر دیں۔ یعنی ''میری بات'' کو 'ہماری بات' بنانے کے لئے دوسروں کو' بالخصوص تلم زیریں تک رسائی کر کے' اپنی بات کا قائل کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔ اس طرح آپ اپنی بات منوانے کے لئے دلیل کے صحیح راستے کو چھوڑ کر اکثریت کے دباؤ کے غلط راستے پر پڑ جائیں گے۔ یہاں یہ باریک بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امیر کو اکثریت کا تابع کرنے کی کوشش اپنی بات منوانے کا ذرا لطیف ہتھکنڈا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آمریت کا بہت زیادہ شور مچانے والے درحقیقت خود آمرانہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔

اِس ضمن میں آخری بات سمجھنے سے قبل تمثیلی پیرائے میں ایک تمہیدی نکتہ گرہ میں باندھ لیجئے۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان کی رو سے ایمان کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ انسان منکر کو دل سے برا جانے' یعنی نفرت و بے زاری اور بے چینی و بے کلی محسوس کرے۔ اس حوالے سے جان لیجئے کہ اگر آپ کی رائے کے برخلاف فیصلہ ہونے کی صورت میں آپ بے چین ہو گئے ہوں اور بے کلی ایسی ہو کہ نیند اُڑ جائے یا بیزاری اور نفرت کی ایسی کیفیت ہو کہ آئندہ مشورہ دینے ہی سے دل اُچاٹ ہو گیا ہو بلکہ لاتعلقی اختیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حدیث کے الفاظ میں اپنی رائے کی پسندیدگی کے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف منکر کو دیکھ کر اور دِیْنُ الْمَلِكِ الْحَقّ کی مغلوبیت دیکھ کر آپ میں اگر وہ کیفیات نہ پیدا ہوئی ہوں جو آپ کی رائے کے رد ہونے کی صورت میں پیدا ہوئی تھیں تو اُس کا یقینی مطلب یہ ہو گا کی آپ کی سعی و جہد کو ایمان نہیں بلکہ کبر کنٹرول کر رہا ہے۔ اس کے برعکس حق کی مغلوبیت دیکھ کر اور منکر کو عام دیکھ کر آپ بے چینی و بے کلی محسوس کریں' بیزاری و لاتعلقی کی کیفیت پیدا ہو اور اُس کے خلاف سعی و جہد ظاہر ہو اور رائے کے رد ہونے کی صورت میں یہ کیفیات نہ پیدا ہوں تو یہ اِس بات کی علامت ہو گی کہ آپ کا داعیہ جذبۂ عمل الحمد للہ ایمان کے کنٹرول میں ہے۔

یہ بات سمجھنے کے بعد درج ذیل آیہ کریمہ کے حقیقی مفہوم کا لطف اُٹھایئے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝﴾ (الحجرات)

''اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا' اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے' پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر و گناہ اور نافرمانی کی۔ وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر''۔

درج بالا آیہ کریمہ واشگاف انداز میں بتا رہی ہے کہ صاحب امر کو مطیع بنانے کی کوشش درحقیقت کفر' فسق اور معصیت کا راستہ ہے۔ جبکہ ایمان اگر واقعتاً محبوب ہو گیا ہو تو صاحب امر پر اثر انداز ہونے کی خواہش کی جڑ از خود کٹ جاتی ہے۔ اگر یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو یہی رشد و ہدایت اور سلامتی اور برکت کا راستہ ہے۔

درج بالا حقیقت سمجھنے کے بعد نجویٰ جیسے شیطانی عمل اور بَغْيًا بَيْنَهُمْ جیسے تفرقہ پیدا کرنے والی کیفیت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔اور سب سے بڑھ کر آخرت کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾(القصص:۸۳)

''وہ آخرت کا گھر ہم نے اُن لوگوں کے لئے مخصوص کیا ہے جو نہ علو (ذات) کے خواہاں ہوتے ہیں نہ ہی بگاڑ پیدا کرتے ہیں''۔

پس معلوم ہوا کہ اکثریت کے احترام کا خوشنما مغربی نعرہ درحقیقت علو ذات کا لطیف انداز ہے جس سے فساد کے علاوہ کوئی خیر برآمد نہیں ہوتا' لیکن جان لیجئے اس کا آغاز ''میں'' سے ''ہم'' کی طرف قدم بڑھانے سے ہوتا ہے۔لہٰذا اپنی رائے صاحبِ امر تک تو ضرور پہنچایئے لیکن دوسروں کو ہمنوا بنانے کا خطرناک راستہ ہرگز نہ اختیار کیجئے۔

اگر آپ کی رائے صاحبِ امر کو پسند آ گئی ہو اور اُس کے مطابق فیصلہ بھی ہو گیا ہو تب بھی پھولے نہ سمانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔کیونکہ آپ کی رائے صاحبِ امر کو پسند آئی ہے' ضروری نہیں کہ آپ کے ربّ کو بھی پسند آئی ہو۔جیسے غزوۂ بدر کے موقع پر قیدیوں کے معاملے میں حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی رائے اختیار کی گئی اور حضرت عمر فاروق ﷛ کی رائے کو ترک کر دیا گیا۔لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس معاملے میں حضرت عمر فاروق ﷛ کی رائے صائب تھی۔چنانچہ اچھی طرح جان لیجئے اگر آپ نے محنت سے رائے بنائی ہو اور وہ درست اور صائب بھی ہو تو آپ کے لئے عنداللہ دوہرا اجر محفوظ ہو جائے گا' خواہ آپ کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا گیا ہو یا برعکس فیصلہ ہوا ہو۔اور اگر آپ نے خلوص و اخلاص اور محنت و کوشش سے رائے قائم کی لیکن وہ درست اور صائب نہ تھی تب بھی آپ کے لئے عنداللہ اکہرا اجر ہوگا' خواہ آپ کی رائے مقبول ہوئی ہو یا مردود قرار پائی ہو۔کسی معاملے میں آپ کے مصیب یا مخطی ہونے کا دارومدار ردّ کر دینے یا سندِ قبولیت عطا ہونے میں نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم پر موقوف ہے۔چنانچہ نہ کامل طور پر آپ کو معلوم ہے نہ صاحبِ امر کو کہ صائب رائے کون سی ہے' لہٰذا محفوظ ترین راستہ یہ ہے کہ رائے ردّ ہونے کے بعد قلب زیادہ اطمینان محسوس کرے کہ غلط رائے کی قبولیت کی صورت میں ہونے والے نقصان میں آپ کا حصہ شامل نہیں ہوا۔

درج بالا امور کا جتنا گہرا شعور ہوتا چلا جائے گا اُتنا ہی شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ

رہنے کا سامان ہوگا۔ اگر خدانخواستہ یہ ہدایات نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو اندیشہ ہے کہ غیر شعوری طور پر انسان شیطان کا حمایتی بن جائے' جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک صورت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا تھا:

﴿يٰاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝﴾ (مریم)

''اے ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کا عذاب آ پکڑے گا تو آپ شیطان کے دوست ہو جائیں گے''۔

مزید برآں یہ استدراج کی علامت ہو سکتی ہے۔ تاہم جب استدراج کے بعد آزمائش کے لئے کوئی مصیبت آئے گی' طوفان اُٹھے گا' خوفناک صورت حال پیدا ہو گی یا محنتوں کے اکارت چلے جانے کے اندیشے پیدا ہوں گے تو اگر اُس وقت آپ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تو یہ اللہ کی خصوصی رحمت ہو گی' اور ایک حدیث کے مطابق صورتحال یہ ہو گی کہ آدمی سچ پر کاربند رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں ''صدیق'' لکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس آزمائش کے موقع پر اگر آپ پیٹھ پھیر گئے یا پہلو بچا گئے تو اس حدیث کے دوسرے حصے کے مطابق یہ صورتحال ہو گی کہ آدمی جھوٹ پر عمل پیرا رہتا ہے' یہاں تک کہ اللہ کے ہاں ''کذاب'' لکھ دیا جاتا ہے۔ (متفق علیہ) جان لیجئے یہی خسرانِ عظیم کی صورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور شیطان کی چالوں کو سمجھنے کی بصیرت عطا فرمائے اور اُن سے محفوظ رکھے۔ آمین!

(یہ مقالہ قرآن اکیڈمی کراچی میں تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کے اجتماع منعقدہ دسمبر ۲۰۰۳ء میں پیش کیا گیا۔)

عظمتِ صوم

حدیث قدسی فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ کی روشنی میں

از : **ڈاکٹر اسرار احمد**

قیمت: اشاعت خاص -/12 روپے ' اشاعت عام -/6 روپے

دعوتِ دین اور داعی کا طرزِ عمل

تحریر: مسز سید شکیل احمد

کس قدر خوش نصیب و سعید تھیں وہ ہستیاں جو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، کُل عالَم کے ہادی و راہنما حضرت محمد ﷺ کے مبارک دوَر میں موجود تھیں! کیا کوئی دماغ، فہم یا فکر اُن (رضی اللہ عنہم) کی سعادت کا اندازہ کرسکتا ہے؟ کیا کسی قلم میں اتنی طاقت ہوسکتی ہے کہ وہ انؓ کی خوش بختی کو بیان کرسکے؟ ہرگز نہیں۔

کتنا دل آویز ہوگا وہ منظر جب ہدایت کے متلاشی دنیا کے سب سے بڑے انسان ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ان کے کان آپؐ کے مبارک الفاظ کو سن رہے ہوں گے! ہر طبقہ، فکر، ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے اور معاشرے میں مختلف حیثیت رکھنے والے افراد سب ایک ہی جگہ موجود ہوتے تھے۔

اس محفل میں آکر کسی کو یاد نہیں رہتا کہ وہ اپنے قبیلہ کا سردار ہے یا غلام، اس کا رنگ سرخ و سفید ہے یا بالکل سیاہ، وہ عالم و فاضل ہے یا اپنا نام تک نہیں لکھ سکتا۔ آج سبھی ایک سطح پر آکر بلند ہوگئے ہیں۔ (کوئی فرق اگر ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے) ان کے قلوب شکر و اطمینان و مسرت کی کیفیات سے لبریز ہیں کہ وہ عظیم المرتبت، رفیع الشان ہستی جس کا مرتبہ خالقِ کائنات نے اتنا بلند کیا ہے کہ وہ خود اور اس کے فرشتے آپؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، بنفس نفیس ان تمام لوگوں کے درمیان اس شان کے ساتھ تشریف فرما ہے کہ آپؐ کو اپنے مقام و مرتبہ کی بلندی کا احساس دُور سے چھو کر بھی نہیں گزرتا۔ آپؐ کے دل میں ان سب لوگوں کے لئے اتنی بے پناہ شفقت و محبت ہے کہ جس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔

آج کے مسلمانوں کے دلوں میں یہ تڑپ حسرت بن کر محسوس ہوتی ہے کہ کاش ہم بھی اُس دور میں موجود ہوتے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

پھر بھی مقامِ صد شکر ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں' جس کو شہادتِ حق اور دعوتِ حق کے لئے نکالا گیا ہے' اب بھی بہت سے فرض شناس لوگ یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں اور اپنی اپنی بساط کے مطابق سعی و جہد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کاوشوں کو شرفِ قبولیت بخشے اور مزید ہمت عطا فرمائے' آمین!

ان سب کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی بجائے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں اور یہ کہ لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل جائے۔ لیکن بعض اوقات عملی نتائج اتنے حوصلہ افزا نظر نہیں آتے۔ ان حالات کے پس منظر میں بے شمار عوامل کارفرما ہیں' جن میں سرفہرست من حیث القوم ہماری دین سے دوری ہے۔ اور پھر ہدایت دینا یا نہ دینا تو اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ہستی ہی کا کام ہے' انسان کا کام تو کوشش کیے چلے جانا ہے۔ اور بلا شک وشبہ ہمارے مبلغین علماء و فضلاء اپنی بہترین صلاحیتیں اور اپنے قیمتی وقت کا بیشتر حصہ بلکہ پوری پوری زندگیاں دنیا کے اس سب سے بڑے کام میں صرف کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی سعادت اور بڑے حوصلے کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے اکثر مبلغین کے پاس علم کا ایک خزانہ ہے جس کو وہ بانٹ رہے ہوتے ہیں۔ عوام الناس میں ہر ذہنی سطح کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض بہت زیادہ ذہین وفہیم ہوتے ہیں جبکہ اکثر لوگ مسائل کی باریکیوں کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اوسط سطح کے انسانوں کو متاثر کرنے کے لئے داعی میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم تین اہم ترین اوصاف پر بات کرتے ہیں:

۱) نرمی و خیر خواہی اختیار کرنا

نرمی' خندہ پیشانی' خوش دلی و خیر خواہی داعی کا اوّلین وصف ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی راہنمائی ملاحظہ ہو:

i) ﴿وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

''(اے نبی!) اگر آپ تند خو اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ سب آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے''۔

ii) ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (الحجر:۸۸)

''اپنے بازوؤں کو مؤمنین کے لئے جھکا دو''۔

iii) ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ (الحجر:۸۵)

''تم خوبصورتی کے ساتھ درگزر کرو''۔

حدیث مبارکہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی کی (اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں نازل ہوں!) حکایت بیان فرمائی ہے کہ ''اُن کو اُن کی قوم نے اتنا زدو کوب کیا کہ لہولہان کر دیا۔ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے' کیونکہ وہ نادان ہے''۔ (متفق علیہ)

۲) عالم باعمل ہونا

جس دعوت کو پیش کیا جا رہا ہو اُس کو سب سے پہلے خود اپنے آپ پر لاگو کرنے کا اہتمام کرنا ناگزیر ہے' تاکہ دعوت کی آواز دلی جذبات و احساسات سے ہم آہنگ ہو کر ایک فطری پکار بن جائے۔ غرضیکہ داعی کی شخصیت کا ہر پہلو ہر وقت' ہر جگہ اور ہر آن اپنی دعوت کا ہی نمونہ ہو' کیونکہ اس کا معاملہ انسانوں سے نہیں اللہ احکم الحاکمین کی ذات سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾

''اور اُن کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس حالت میں کہ وہ دین واطاعت کو اُس کے لئے خالص کرنے والے ہوں''۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

''تم خود وہ کام کیوں نہیں کرتے جو دوسروں کو کہتے ہو؟''

فرمانِ نبویؐ ہے کہ ''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو' پھر اگر (یہ احساس ہے کہ) تم اسے نہیں دیکھ رہے تو (یہ احساس تو پیدا ہو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔

ہر مسلمان کے ایمان کا بنیادی تقاضا یہی ہے کہ جس قدر انسانی امکان و بساط میں ہو حضور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کیا جائے کہ اللہ کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ......﴾ (آل عمران:۳۱)

''کہہ دیجئے (اے نبیؐ!) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا''

داعی کی ذات عوام الناس کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔لوگ اس کی بات سنتے اوراس کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔ اگراس کے کردار میں خامی ہوتو اس کی بات میں اثر نہیں رہتا۔

۳)فروعی واختلافی مسائل سے کلی اجتناب

عام لوگ فروعی واختلافی مسائل کا بیان ناپسند کرتے ہیں اوران سے اس طرح بچنے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح انسان کسی بھی خطرناک چیز سے فطرتاً بچتا ہے۔ کیونکہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔اختلافی اورفروعی مسائل اُن کے سادہ اذہان کو الجھا دیتے ہیں اور وہ دین کو بھی کوئی پیچیدہ گتھی سمجھتے ہوئے اوراُسے اپنی استطاعت سے ماورا کوئی فلسفہ جان کراس میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں' حالانکہ دین تو انسان کی فطرت کی آواز ہےاوردین ازل سے وہی ہے جو خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لئے چنا ہےاوراس کے مخاطب بھی ہمیشہ سے بنی نوع انسان ہیں۔

اللہ ربّ العالمین کی طرف سے جاری ہونے والے احکامات ہمیشہ سے وہی ہیں' انتہائی سادہ' عام فہم' حد درجہ قابلِ عمل اورانسانی فطرت سے ہم آہنگ' کیونکہ خالق سے بڑھ کرمخلوق کی فطرت کو کون جان سکتا ہے؟

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے بہت سے مبلغین حضرات اس نکتہ کا حد درجہ خیال رکھتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کا مقصد انسانوں کے قلوب کو اپنے خالق کی محبت سے معمور کرنا ہے تاکہ وہ خود بخود اُس کے اطاعت گزار بندے بن جائیں۔وہ انہیں خوش خبری دے کر اپنے ربّ سے ان کے تعلق کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ خالق سے انسان کا تعلق جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر دین کو اپنانا ان کے لئے آسان ہوگا۔

عظمتِ صیام وقیامِ رمضان مبارک

از : ڈاکٹر اسرار احمد

o اعلیٰ سفید کاغذ o عمدہ طباعت o قیمت:18 روپے

نعیم صدیقی مرحوم

ماضی کے جھروکوں سے

تحریر: قاضی عبدالقادر

۱۹۵۰ء کی بات ہے، میں میٹرک کا امتحان پاس کر چکا تھا اور تحریک سے متعارف ہو کر اسلامی جمعیت طلبہ کا رکن بنا تھا' تب میں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تقریباً تمام کتب کھنگال ڈالیں۔ ایک کتابچہ بھی مجھے ملا' یہ ایک طویل نظم تھی ــــ ''عورت کا حزنیہ'' ــــ مصنف کا نام تھا ــــ نعیم صدیقی۔ یہ کتابچہ حیدر آباد دکن (بھارت) کے مکتبہ نشاۃ ثانیہ نے شائع کیا تھا۔ میں نے اسے نہایت شوق سے پڑھا ــــ یہ تھا نعیم صدیقی صاحب کے نام اور کلام سے میرا پہلا تعارف ــــ!

۱۹۵۱ء میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ جماعت اسلامی بھی حصہ لے رہی تھی۔ اس موقع پر جماعت کے روزنامہ ''تسنیم'' نے ''انتخابات نمبر'' شائع کیا۔ ٹائٹل پر نعیم صدیقی کی نظم ''نیا انتخاب آرہا ہے رفیقو ــــ!'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ پہلا مصرع تھا ــــ ''نیا انتخاب آرہا ہے رفیقو' قدامت کی بنیاد پوری ہلا دو'' ــــ اس طویل نظم کے دو اشعار مجھے اب تک یاد ہیں:

یہ بت ہیں تو بت ہی خدا تو نہیں ہیں' ڈرو ان سے کیوں خود ہی ان کو گھڑا تھا
انہیں توڑ دو' پھوڑ دو' چُور کر دو 'بڑھو' ان کو استھان پر سے گرا دو!
یہ مالی' یہ گلچیں' یہ صیاد کیا ہیں' تمہاری یہ اپنی ہی کٹھ پتلیاں ہیں
انہیں برطرف کر کے نظمِ چمن سے' پرانے چمن میں نئے گل کھلا دو!

(ذرا بحر کی طوالت ملاحظہ ہو)

ماہنامہ ''چراغِ راہ'' کراچی سے نعیم صدیقی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ وہ لاہور میں بیٹھ کر مرتب کرتے اور چھپتا کراچی سے تھا۔

نعیم صدیقی صاحب کا اصل نام فضل الرحمٰن تھا۔کبھی کبھی وہ اپنے اصل نام یا ابوالسلام نعیم صدیقی کے نام سے بھی لکھتے تھے۔شعر و شاعری' افسانے و خاکے' طنز و مزاح غرض وہ ہر فن کے شہ سوار تھے۔

۱۹۴۹ء میں نواب زادہ لیاقت علی خان ملک کے وزیر اعظم تھے۔ان کی بیگم رعنا لیاقت علی خان خواتین میں مغربی ثقافت کی علمبردار تھیں اور اپنی پوزیشن کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم خواتین کو گمراہ کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے لئے انہوں نے ''اپوا'' (APWA) کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی۔(اپوا کو آپ ''آپا'' کی جمع نہ سمجھیں' یہ مخفف ہے آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن کا)۔نعیم صدیقی سے یہ سب کچھ دیکھا نہ گیا اور ''زنانہ فوج'' کے زیرِ عنوان ایک نظم شائع کی ـــــــ مولانا امین احسن اصلاحی نے ''ترجمان القرآن'' میں ''پاکستانی عورت دوراہے پر'' کے عنوان سے مضامین کی قسطیں لکھنی شروع کیں تو نعیم صدیقی نے ''چراغِ راہ'' میں ''وزیر اعظم نے نمازِ جمعہ ادا کی'' کے عنوان سے ایک لطیف خاکہ شائع کیا جس میں وقت کے وزیر اعظم اور ان کی بیگم پر شدید طنز تھی۔''عالم بالا'' میں یہ خاکہ برداشت کرنے کی سکت نہیں تھی چنانچہ ''چراغِ راہ'' کو سیفٹی ایکٹ کے تحت چھ ماہ کے لئے بند کر دیا گیا ـــــ چھ ماہ کی مدت ختم ہوتے ہی ۱۹۴۹ء کے آخری تین مہینوں پر مشتمل ''چراغ راہ'' کا ایک ضخیم ''قیادت نمبر'' نکالا گیا۔عنوان ہی سے اندازہ لگا لیجئے کہ اس میں کیا کچھ ہوگا۔شروع میں نعیم صاحب کی نظم ''انقلاب دشمن طاقتوں کی خدمت میں'' کے زیرِ عنوان شائع ہوئی۔چند اشعار پیش خدمت ہیں:

تم انقلاب کی لہروں کو روکتے ہی رہو — اسی طرح تو یہاں انقلاب ابھریں گے
جو پائمال کرو گے ادب کے خوابوں کو — تو واقعات کی صورت میں خواب ابھریں گے
شریف لوگ' سیاست بدر ہیں برسوں سے — وہ لے کے ہاتھ میں اب ''الکتاب'' ابھریں گے

اور

گر اک چراغ حقیقت کو گُل کیا تم نے — تو موجِ دُود سے صد آفتاب ابھریں گے!

رسالہ کی اس اشاعت خصوصی کا ٹائٹل بھی خوبصورت اور بامعنی شائع ہوا تھا جس میں ایک چراغ کے گُل ہونے پر صدہا نہیں تو دسیوں سیاروں کو ابھرتے دکھایا گیا تھا۔

اس خصوصی اشاعت کے ''سوچ بچار'' (اداریہ) کا عنوان تھا ـــــ ''ہم'' ـــــ جس کے نیچے تحریر تھا ـــــ ''ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور'' ـــــ اداریہ نعیم صاحب

تحریر کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

''چراغ راہ چھ مہینے تک سیفٹی ایکٹ کی کال کوٹھری میں نظر بند رہنے کے بعد از سرنو حاضر خدمت ہو رہا ہے ـــــ اس موقع پر ''فرزندانِ تاریکی'' کے ذوقِ لطیف اور خصوصاً ''شہبازانِ شب'' کے نازک جذبات کو جو صدمہ ہوگا اس میں ہمیں ان سے دلی ہمدردی ہے۔''

اسی شمارہ میں نعیم صدیقی کا ایک خاکہ ''آغا سفطی آکت'' (سیفٹی ایکٹ) کے عنوان سے بھی شائع ہوا تھا۔

نعیم صدیقی ہار ماننے والے تو تھے نہیں' انہوں نے چند ہی ماہ کے بعد ''چراغِ راہ'' میں ایک اور خاکہ ''...... نے روزہ رکھا'' لکھا جو طنز کی دنیا میں اپنی مثال آپ تھا۔ عنوان کے نیچے کچھ اس طرح لکھا تھا ـــــ (کس نے روزہ رکھا؟ آپ کو اس سے کیا؟ ـــــ ہو سکتا ہے وہ کوئی شاعر ہو' ادیب ہو' وکیل ہو' طالب علم ہو' سفیر ہو' وزیر ہو' کسان ہو' وزیر اعظم ہو' تاجر ہو' زمیندار ہو' کوئی بھی ہو آپ کو اس سے کیا غرض!!) اب ظاہر ہے اس خاکہ پر سیفٹی ایکٹ اپنا وار کرنے سے عاجز تھا۔

مطالبۂ نظام اسلامی کی ملک گیر زبردست مہم کے نتیجہ میں بالآخر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو ۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو ''قراردادِ مقاصد'' منظور کرنی پڑی اور یہ کڑوی گولی نگلنی پڑی۔ جس کا ملک بھر میں خیر مقدم کیا گیا۔ روزنامہ ''تسنیم'' میں ماہر القادری نے ''قراردادِ مقاصد سے متاثر ہو کر'' کے زیرِ عنوان لکھا:

جبرِ باطل سے گزرنے کا زمانہ آیا ـــ صرف اللہ سے ڈرنے کا زمانہ آیا!
قافلے جن کے اجالے میں چلا کرتے تھے ـــ ان ستاروں کے ابھرنے کا زمانہ آیا!
اب معیشت بھی عبادت ہے سیاست بھی ثواب ـــ خانقاہوں سے نکلنے کا زمانہ آیا!

اسد ملتانی کی ''قراردادِ مقاصد'' کے عنوان سے ہفت روزہ ''قندیل'' میں یہ نظم شائع ہوئی:

اب پھر کسی کے حُسن کا چرچا ہوا تو ہے ـــ اس دور میں بھی عشق کا دعویٰ ہوا تو ہے
تصویر صاف ہو گی نمودار عن قریب ـــ دھندلا سا ایک نقش ہویدا ہوا تو ہے
آثارِ سربلندیٔ اسلام ہیں عیاں ـــ دنیا و دیں کا سلسلہ یکجا ہوا تو ہے
افرنگ سے حجاز کی جانب پھرا ہے رخ ـــ قبلہ بنائے قوم کا سیدھا ہوا تو ہے!

لیکن جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی سربلندی کے آثار عیاں نہیں ہوئے — گویا بقول کسے ''قراردادِ مقاصد'' ایسی بارش تھی کہ نہ اس سے پہلے گھٹا آئی' نہ بجلی چمکی' نہ بادل گرجے اور نہ ہی اس کے بعد زمین میں روئیدگی پیدا ہوئی — تو نعیم صدیقی کا قلم حرکت میں آیا۔ ''تضاد'' کے عنوان سے نظم کے چند منتخب اشعار ۔

''قراردادِ مقاصد'' کے تم مصنف تھے! یہ صور پھونک کے اب کھو گئے کہاں آخر؟
زمانے بھر کی امامت کے مدعی بن کر رہِ حیات میں گم ہو گئے کہاں آخر؟
نمازِ عشق اقامت کی منتظر ہے ابھی اذاں پکار کے تم سو گئے کہاں آخر؟
عجیب طرفہ تماشا ہے قبر کے مردے حیاتِ نو کا پیام لطیف لائے ہیں
متاعِ حرمت کعبہ کو لے چلے کچھ لوگ بُتانِ دیر کے آگے نثار کرنے کو
تمہارے قول و عمل میں اگر تضاد رہا یہ چہرہ دست زمانہ ہے' راز کھولے گا
مڑا ہے قافلۂ شوق اب حرم کی طرف! یہ راہ اور ہے' اب رہنما بدل جائیں
وہ ہاتھ پاک ہیں' بڑھ بڑھ کے چومئے ان کو بُتانِ کہنہ کو جو ہاتھ چُور چُور کریں

نومبر ۱۹۵۱ء میں نعیم صاحب نے ''چراغِ راہ'' کا نہایت ہی شاندار ''شعر نمبر'' شائع کیا جو اسلامی ادب کی تحریک کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا۔ یہ ۱۹۴۷ء (بلکہ اس سے قبل) سے ۱۹۵۱ء تک تحریک ادبِ اسلامی کے تحت شائع ہونے والی درجنوں غزلوں اور نظموں کا ایک حسین رنگ برنگ گلدستہ تھا۔ اداریہ کا عنوان تھا: ''ایں ہمہ سرمایۂ بہار'' جس میں نعیم صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''تقسیم ہند سے چند سال قبل خودی کے بیت حرام سے ایک اذان گونجی' پھر وہ جرسِ کارواں بنی اور آج وہ رجزِ جہاد بن چکی ہے۔ یہ بیک وقت اذان بھی ہے' جرس بھی ہے' رجز بھی ہے! یہ ایک نمازِ عشق کا بلاوا ہے' یہ ایک دعوتِ جادہ پیمائی ہے اور ہاں یہ عہد کے مردافگن کی نفیر بھی ہے! ربابِ حیات کے اس نئے نغمے کو چند نوا گرانِ حق نے سوزِ جگر میں حل کر کے حرف وصوت کے گوناگوں سانچوں میں ڈھالنے کے لئے جو کاوشیں کی ہیں ان کا ایک مظاہرہ کرنے کے لئے ''چراغِ راہ'' کا یہ شعر نمبر اہل ذوق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔'' (اداریہ کا ایک اقتباس)

شعر نمبر کے اسی ''سوچ بچار'' میں اسلامی شعر و ادب کے لئے نعیم صاحب نے اساسی کلمہ (Slogan) یہ مرتب کیا:

''ایک خدا ــــ ایک انسان ــــ ایک نظام''

اداریہ کے آخر میں کیا چبھتی ہوئی بات تحریر کی ہے: ''بدنصیب ہیں وہ لوگ جو ذوقِ شعر سے محروم ہیں ــــ اور مزید بدنصیب ہیں وہ جو اپنی اس پالیسی کو مقامِ عظمت و تقدس سمجھتے ہیں''۔

شعر نمبر میں جہاں ماہر القادری' ملک نصر اللہ خان عزیز' عرشی بھوپالی' اسد ملتانی' اعظم ادیب' کوثر نیازی' عاصی کرنالی' طالب حجازی' آسی ضیائی' آبادشاہ پوری' لالۂ صحرائی' حسان کلیمی' شمیم جاوید اور دیگر بہت سے شعراء کا کلام شائع ہوا وہاں نعیم صدیقی کی بھی بعض منتخب معرکتہ الآراء نظمیں زینت بنی ہیں۔ مثلاً ''زنانہ فوج'' ــــ ''تو آئے تو ڈالر'' ــــ ''مال تجارت'' ــــ ''ایک سوال چار جواب'' ــــ ''تعمیر تاریخ'' (منظوم ڈرامہ) ــــ ''لبیک''۔ ''انقلابی توحید'' ــــ ''اگر میں چاہوں تو'' (اہلیہ سے خطاب) ــــ ''گستاخی معاف!'' (کفر کے فتوے دینے والے ''مفتیانِ کرام'' کی خدمت میں)۔

نعیم صدیقی نے صنفِ نازک پہ بھی قلم اٹھایا ہے۔ ''تم؟'' کے نام سے ایک نظم کہی جس میں خطاب کرنے والا اسلامی فکر رکھتا ہے اور اس کی مخاطب جو کوئی بھی ہے وہ ملحدانہ زاویۂ نگاہ رکھتی ہے۔ ازواج کی اوّلین ضرورت نظریات و مقاصد کے لحاظ سے ہم آہنگی کا پایا جانا ہے' یہ نہ ہو تو جوڑ کچا ہوگا ــــ بلکہ جوڑ کیا ہوگا' ایک کشمکش چھڑ جائے گی۔ جی تو چاہتا ہے کہ نعیم صاحب کی ہر نظم پوری نقل کروں لیکن رسالہ کی تنگ دامانی کا کیا کروں! بہرکیف چند اشعار حاضرِ خدمت ہیں:

تم تو بے خدا ہوئیں! تم پہ اعتبار کیا؟
تم؟ مسل سکو گی تم زیرِ پا شرار کیا؟
تم؟ لٹا سکو گی تم ذہن کا قرار کیا؟
بولو! روند جاؤ گی غم کے خارزار کیا؟
تم تو بے خدا ہوئیں! تم پہ اعتبار کیا؟

آپ کو میں ساتھ لوں؟ جی نہیں' اجی نہیں!
آپ پر یقیں کروں؟ جی نہیں' کبھی نہیں!
زندگی کی کشمکش کھیل اور ہنسی نہیں!
آزما نہیں سکیں خود کو بار بار کیا؟
تم تو بے خدا ہوئیں! تم پہ اعتبار کیا؟

آج سے یہ جان لو! میری راہ اور ہے !
میرے عیش اور ہیں! میری چاہ اور ہے!
میرا قہقہہ الگ! میری ''آہ'' اور ہے!
دو مذاق مختلف ' ہوں گے سازگار کیا؟
تم تو بے خدا ہوئیں! تم پہ اعتبار کیا!

میرے ناقص علم کی حد تک نعیم صدیقی صاحب کی دو نظمیں ہیں جن میں انہوں نے اپنی رفیقۂ حیات کو خطاب کیا ہے۔ پہلی نظم کا عنوان ہے ''ـــــ اگر تم ساتھ نہ دو''۔ اس میں بظاہر رفیقۂ حیات کو' لیکن درحقیقت پوری طبقۂ نسواں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ تمدنوں میں کوئی تغیر خواتین کے تعاون کے بغیر بپا نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ تہذیب اس ڈھب پر چلتی ہے جس ڈھب پر عورت نئی نسلوں کو تیار کرتی ہے۔ نعیم صاحب کی نظمیں عموماً طویل ہوتی ہیں لیکن پھر بھی ان میں بوریت نہیں ہوتی ـــــ پوری نظم پڑھنے کی بات اور ہے' میں تو یہاں پر صرف چند اشعار نقل کرنے پر ہی اکتفا کر سکتا ہوں۔

اے جان اگر تم ساتھ نہ دو تو تنہا مجھ سے کیا ہو گا
جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ کام ابھی تو باقی ہے
تمہید بہت ہی خوب سہی اتمام ابھی تو باقی ہے!
اے جان اگر تم ساتھ نہ دو تو تنہا مجھ سے کیا ہو گا
تن کا تو ساتھ نبھایا ہے کیا من کا ساتھ نباہو گی؟
مجھ کو تو تم نے چاہا ہے پر کیا حق کو بھی چاہو گی؟
اب آگے ایک دوراہا ہے اب راہ تمہاری کیا ہو گی؟
اے جان! اگر تم ساتھ نہ دو پھر مجھ کو خدا ہی کافی ہے!
گر تم سے رفاقت ہو نہ سکے تو جذبۂ راہی کافی ہے!
پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں تم ساتھ رہو تو بہتر ہے
پیچھے نہ ہٹو تو بہتر ہے! آگے کو چلو تو بہتر ہے!
اے جان اگر تم ساتھ نہ دو تو تنہا مجھ سے کیا ہو گا!
لڑنا ہے درونِ در تم کو
بیرونِ در کے فتنوں سے میں اپنی جان لڑاؤں گا

قلعے کی تم رکھوالی ہو
قلعے سے باہر دشمن پر دیکھو گی! میں چھا جاؤں گا
انسانیت کو تم بدلو
احساسِ فرض دلا کر میں مردوں کو مرد بناؤں گا
تم اچھے پرزے ڈھال کے دو
میں نظم تمدن کی کل کو پھر دین کے ڈھب پر لاؤں گا
اے جان اگر تم ساتھ نہ دو تو تنہا مجھ سے کیا ہو گا

نعیم صدیقی صاحب کی دوسری نظم جس میں رفیقۂ حیات سے خطاب کیا گیا ہے، میرے نزدیک ان کی چند شاہکار نظموں میں سے ایک ہے جس میں انقلابی اسلامی شاعر عزیمت کی چٹان نظر آتا ہے اور عظمت کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا ہے۔ اس نظم کا عنوان بھی کیا خوب ہے: ''اگر میں چاہوں تو___'' تو لیجئے اس کے چند ہی بند ملاحظہ فرمائیے ۔

تمہارے تن کو لباسِ حریر مل نہ سکا اٹھارہ سال یونہی حسرتوں میں بیت گئے!
تمہارے واسطے ساٹن کا سوٹ سل نہ سکا بساطِ زر پہ کئی لوگ کھیل جیت گئے!
گلہ کرو نہ کرو___

یہ صبر و ضبط محبت بھرا تکلف ہے! مری نظر میں تم ایک شکوۂ مجسّم ہو
نہ کوئی ''آہ'' نہ ''وائے'' نہ ''حیف'' نے ''اُف'' ہے! تم اپنے ذوق کا ایک مرثیہ ہو، ماتم ہو
یہ ٹھاٹھ باٹھ امارت کے، کبریائی کے! یہ رشوتیں ہیں جو رقصاں ہیں قصر و ایواں میں
گرہ کٹوں کی عفونت بھری کمائی کے! مظاہرے ہیں جو پوری طرح سے عریاں ہیں
اگر میں چاہوں تو ظلم و ستم کی منڈی سے! ضمیر بیچ کے، دولت کما کے لے آؤں!
میں کاٹ کاٹ کے افلاس و ضعف کی جیبیں تمہارے واسطے سکے اڑا کے لے آؤں
دماغ پاس ہے، اس کو کرائے پر دے کر میں ایک جنتِ راحت سجا کے لے آؤں!
اگر میں چاہوں تو ہر جنبشِ قلم کے طفیل طلا و سیم کی نہریں بہا کے لے آؤں!
مگر یہ سوچ تو لو___

مرے ضمیر کی جب روح کر گئی پرواز تو ایک نعش کو بن ٹھن کے کیا دکھاؤ گی؟
مری خودی جو گنوا دے حیات کے انداز تو کیسے پیکرِ لحمی سے دل لگاؤ گی؟
تم اک ذلیل سے سوداگرِ ہوس کے لئے پھر احترام کا جذبہ کہاں سے لاؤ گی؟

وہ حق فروش جو گر جائے اپنی آنکھوں سے   تم اپنی آنکھوں پہ کیسے اسے بٹھاؤ گی؟

اس زمانہ میں پاکستان اور ہندوستان میں تحریک کے متعدد علمی وادبی رسائل وجرائد شائع ہوتے تھے' مثلاً ہفت روزہ ''جہانِ نو''۔۔۔۔ ''کاروانِ نو''۔۔۔۔ سہ روزہ ''کوثر'' (بعد میں ''ایشیا'') ' ماہنامہ ''ترجمان القرآن''۔۔۔۔ ''یثرب''۔۔۔۔ ''رحیل''۔۔۔۔ ''سلسبیل'' ''مشیر''۔۔۔۔ ''معیار''۔۔۔۔ ''حیاتِ نو''۔۔۔۔ ''المنیر''۔۔۔۔ ''الحسنات''۔۔۔۔ ''نور'' ''نئی نسلیں''۔۔۔۔ ''الانصاف'' (بعد میں ''دعوت'')۔۔۔۔ ''فاران''۔۔۔۔ ''تجلی'' ''قاصد'' وغیرہ۔ان میں بھی نعیم صدیقی صاحب کا کلام چھپتا رہتا تھا۔

حلقہ ادب اسلامی پاکستان کا ترجمان ہفت روزہ ''جہانِ نو'' کراچی سے سید اسعد گیلانی کے زیرادارت شائع ہوتا تھا۔اس کی لوح پر لکھا ہوتا تھا:

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا' یہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ   (اقبالؔ)

۱۹۵۱ء کے پنجاب کے صوبائی الیکشن میں جماعت اسلامی کو صرف ایک سیٹ ملی تو نعیم صدیقی کی ایک نظم بہت ہی درد و سوز لئے ''جہانِ نو'' کے سرورق پر ''ہم نے چاہا تھا مگر۔۔۔۔!'' کے زیرعنوان شائع ہوئی۔نظم کے اشعار تو یاد نہیں آ رہے البتہ اس کے شروع میں نعیم صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وہ یادگار جملے درج کئے تھے جو آپ صلیب کی جانب بڑھتے ہوئے بیت المقدس کی گلیوں میں فرماتے ہوئے جا رہے تھے' جن کا مفہوم کچھ یوں ہے:

''اے یروشلم!اے یروشلم!تو جو نبیوں کو قتل کرتا ہے اور جو تیری طرف بھیجے گئے انہیں سنگسار کرتا ہے' کتنی مرتبہ میں نے چاہا کہ میں ترے بچوں کو اس طرح چھپا لوں جیسے مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے چھپا لیتی ہے مگر تو نے نہ چاہا۔۔۔۔ دیکھو!تمہارا گھر تمہارے لئے ویران کیا جاتا ہے۔''

یہ نظم کیا تھی' سوز و گداز اور حسرت و یاس کا ایک مرقع تھی۔۔۔۔!

حکومتِ وقت نے ''جہانِ نو'' کے کسی مضمون کی وجہ سے اس کی اشاعت پر پابندی لگا دی تو نعیم صاحب نے اپنی ایک اور شاہکار نظم ''سیفٹی راج کے کارپردازوں کے نام'' تحریر کی۔''تبرک'' کے طور پر چند اشعار ہی ملاحظہ فرمائیے ۔

میرے افکار سے
میری گفتار سے
میرے اشعار سے
امن کی یہ فضا ساری خطرے میں ہے ملک کی یہ بقا ساری خطرے میں ہے
ضبط، نظم اور قانون خطرے میں ہے پوری تہذیبِ موزون خطرے میں ہے
صاف کہہ دوں اگر
تو ہے شکلِ دگر
جانے کیوں میر و سلطان خطرے میں ہیں جانے کیوں ظلِّ سبحان خطرے میں ہیں
عیش و عشرت کے ایوان خطرے میں ہیں کبر و شوکت کے سامان خطرے میں ہیں
میرے افکار سے
میری گفتار سے
میرے اشعار سے
میری ''مقبول'' سرکار خطرے میں ہے جانے کیوں تخت دربار خطرے میں ہے
تاج خطرے میں ہے، راج خطرے میں ہے جانے کیا اور کیا، آج خطرے میں ہے
اک قیامت ہوا نعرۂ لا اِلٰہ لذتِ عشق اصنام خطرے میں ہے
میرے قرآن و سنت کے اسلام سے حکمرانوں کا اسلام خطرے میں ہے
جرمِ کردہ نہیں کوئی تو کیا ہوا جرمِ ناکردہ کی تو سزا دیجئے
مثلِ سقراط میرے خیالات کو جامِ زہرابِ مہلک پلا دیجئے!

اسی طرح اُن کی ایک اور نظم ''اقرارِ جرم'' بھی بہت مقبول ہوئی۔ نظم حسب معمول خاصی طویل ہے۔ چند بند پیش خدمت ہیں:

ہم لوگ اقراری مجرم ہیں! سن اے جباری! مجرم ہیں!
حق گوئی بھی ہے جرم کوئی تو پھر ہم بھاری مجرم ہیں!
روپوش نہیں، مفرور نہیں!
پھر ہم کو جوابِ دعویٰ میں
کچھ کہنا بھی منظور نہیں!
تعزیر کو ہم خود حاضر ہیں! ہم لوگ اقراری مجرم ہیں!

ہم لوگ اقراری مجرم ہیں——

تن من کو نہ منڈی میں بیچا ہم پیٹ پجاری بن نہ سکے
جو لوگ خدا کے باغی ہیں ہم ان کے حواری بن نہ سکے
اغراض کی مہرہ بازی میں
بن کھیلے داؤں ہار چکے!
کورے ہیں زمانہ سازی میں!
ذلت کے گھر کی چوکھٹ پر عزت کے بھکاری بن نہ سکے
ہم لوگ اقراری مجرم ہیں ——

چمگادڑ جس سے چڑتے ہیں! اُس صبح کا اک آغاز ہیں ہم
اندھیارے جس کے دشمن ہیں اُس سورج کا اک راز ہیں ہم
اک آفت ہیں' اک قہر ہیں ہم
اے قبر ماضی کے مُردو!
مستقبل کی اک لہر ہیں ہم!
محکومی کی اولاد ہو تم! آزادی کی آواز ہیں ہم!
ہم لوگ اقراری مجرم ہیں——

باطل کے سیاست بازو! ہم ہر باطل سے ٹکرائیں گے
ہر جھوٹ پہ دھاوا بولیں گے ہر فتنے سے لڑ جائیں گے
تخریبِ وطن کیوں ہونے دیں؟
بازار میں کھوٹے سکوں کا!
یوں عام چلن کیوں ہونے دیں؟
ہر کفر کا رستہ روکیں گے! ہر ظلم کے آڑے آئیں گے!
ہم لوگ اقراری مجرم ہیں
ہم لوگ اقراری مجرم ہیں

۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء کی بات ہے' اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کی طرف سے ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی میں نعیم صدیقی صاحب کا خطاب تھا۔ موضوع غالباً سیرت النبیؐ تھا۔ اس وقت پہلی بار میں نے انہیں دیکھا اور سنا تھا۔ تب معلوم ہوا کہ وہ تحریر کے ہی نہیں' تقریر کے بھی

غازی ہیں اور باطل کے ساتھ ہر میدان میں چومکھی لڑائی لڑنے کے ماہر ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام، کمیونزم، سوشلزم وغیرہ پر بھی ان کا مطالعہ بہت عمیق تھا۔ معاشی مسائل پر بہت عبور رکھتے تھے۔ اسی زمانہ میں ان کی ایک کتاب ''معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل'' شائع ہوئی جس نے قبولیت حاصل کی۔

غالباً ۱۹۵۲ء میں کراچی میں مؤتمر عالم اسلامی کے زیراہتمام عالمی احتفال العلماء کانفرنس منعقد ہوئی جس میں عالم اسلام کے معروف علماء اور دینی وسیاسی اسکالرز نے شرکت کی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی جمعیت طلبہ کراچی نے سندھ مسلم آرٹس کالج کراچی کے وسیع ہال میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ مصر میں انقلاب نیا نیا برپا ہوا تھا۔ شاہ فاروق کو جلاوطن کر دیا گیا تھا اور مصر میں اس وقت الاخوان المسلمون چھائے ہوئے تھے کیونکہ انقلاب کی پشت پر ایک طرح سے انہی کی طاقت تھی۔ جمعیت کے اس جلسہ کی صدارت مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی نے فرمائی۔ شام کے استاذ مصطفیٰ سباعی (اخوان)، عراق کے مفتی امجد الزھاوی (جو عہد خلافت عثمانیہ میں عراق میں مفتی کے عہدہ پر فائز تھے) اور استاذ محمود الصواف (اخوان) اور مصر کے اخوان کے زعماء نے خطاب فرمایا۔ غالباً اجتماع میں مصر کے سفیر عزام پاشا (جنہوں نے کلام اقبال کا عربی ترجمہ کیا تھا)، شام کے سفیر بہاء الامیری اور قونصلر استاذ عرقسوسی (دونوں کا تعلق اخوان سے تھا)، سعودی عرب کے سفیر عبدالحمید الخطیب بھی موجود تھے۔ اس موقع پر نعیم صدیقی صاحب کو خصوصی دعوت پر بلایا گیا تھا اور انہوں نے اپنی مشہور نظم ''اے نیل کی موجو! نہ کرو خوف کنارا'' پڑھ کر سنائی۔ وہ ترنم سے نہیں بلکہ تحت اللفظ پڑھتے تھے لیکن پھر بھی ایک سماں باندھ دیا۔ ''کلامِ شاعر بزبانِ شاعر'' سننے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔ اقتباسات چونکہ طویل ہو چکے ہیں اس لئے اس نظم کے صرف دو ٹکڑے درج کرتا ہوں:

تم مہدیٔ سوڈان کی دعوت کی امیں ہو
بربر کی شجاعت کی حمیت کی امیں ہو
اور آج تو اخوان کی اخوت کی امیں ہو
تاریخ کی ہر زندہ روایت کی امیں ہو

ہر زندہ روایت کو کرو زندہ دوبارا
اے نیل کی موجو! نہ کرو خوف کنارا

ہے ایک ہی نغمہ کہیں اونچا کہیں مدھم
مل جائیں گی امواج سے امواج یہ باہم
ہو جائیں گے طوفانوں میں طوفان یہ مدغم
سوتے ہوں الگ چاہے مگر ایک ہے سنگم

جو نعرہ ہمارا ہے وہی نعرہ تمہارا
اے نیل کی موجو! نہ کرو خوف کنارا

اس کے کچھ عرصہ کے بعد جب کرنل جمال عبدالناصر نے جنرل محمد نجیب کو معزول کر کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں سنبھال لئے تو اس کا اوراخوان کا ٹکراؤ ہوا۔ اس نے اخوان کو کچل ڈالنے کی پوری کوشش کی اور اس کے جلیل القدر اکابرین کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا۔ اس موقع پر روزنامہ ''تسنیم'' کی اشاعت خصوصی میں ٹائٹل پر نعیم صاحب کی نظم ''یہ کون تھا؟ کس کا خون بہا؟'' کے زیرعنوان شائع ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ نظم انہوں نے اپنے خون جگر سے لکھی ہے۔

نعیم صدیقی صاحب کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ پہلی بار ''شعلۂ خیال'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ نام ان کے اس شعر سے لیا گیا تھا۔

آخر ہے کس کے بس میں مرا شعلۂ خیال
سنگین و آہنیں مرا زنداں ہوا کرے!

اب کسی کو اچھا لگے یا برا' لیکن میرا خیال ہے کہ اس دور میں دو انقلابی شاعر پیدا ہوئے: فیض احمد فیضؔ اور نعیم صدیقی۔ دونوں ہی انقلابی تھے' حالانکہ ان کے نظریات میں بعد المشرقین تھا۔ (''شاعر انقلاب'' جن صاحب کو کہا جاتا ہے وہ دراصل مے وساغر کے شاعر تھے) جمعیت طلبہ میں ہم کہا کرتے تھے کہ ترقی پسند تحریک نے اگر فیضؔ جیسا شاعر پیدا کیا ہے تو تحریک ادب اسلامی کے پاس بھی نعیم صدیقی موجود ہے۔ جب ہم فیضؔ کا یہ شعر سنتے تھے۔

بنے ہیں اہلِ ہوس' مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں؟ کس سے منصفی چاہیں؟

تو مقابلہ پر نعیم صدیقی کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

نرالی ہے عدالت' مدّعی خود جس کے قاضی ہیں
یہاں جو بے خطا نکلے' اسے چھوڑا نہیں کرتے!

۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک چلی۔ جماعت اسلامی کے
کو گرفتار کرلیا گیا۔ لاہور میں مارشل لاء لگا اور فوجی عدالت نے مولانا مودودیؒ کو سزائے موت سنائی' جسے ملک و بیرون ملک میں شدید احتجاج کے بعد عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ نعیم صدیقی کا جنوں آہنی سلاخوں کے پیچھے بھی خاموش نہ بیٹھا۔ جیل سے ان کی غزلیں اور نظمیں ''اسمگل'' ہو کر آتی رہیں اور ''چراغِ راہ'' کی زینت بنتی رہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہزاروں جانوں کو جیلوں میں ڈالنے والو
تمہیں پتا بھی ہے' اس قید کا مزا کیا ہے؟
تمام عمر مجھے قید میں رکھو' لیکن
مجھے بتاؤ کہ آخر مری خطا کیا ہے؟

اور پھر ذرا ان کا آہنی عزم دیکھئے۔

میں قیدِ یوسفؑ کنعاں کی کھا رہا ہوں قسم
یہ قید میرے عقیدے بدل نہیں سکتی!

جیل ہی سے وہ پوچھتے ہیں۔

کیا میری قفس میں بندش پر کلیوں نے چٹکنا چھوڑ دیا؟
رنگوں نے بکھرنا چھوڑ دیا؟ خوشبو نے مہکنا چھوڑ دیا؟
کچھ میخانے کا حال کہو! کیا گردشِ ساغر ختم ہوئی؟
کیا مے سے نشہ اُڑ نکلا؟ رندوں نے بہکنا چھوڑ دیا؟

جیل ہی سے ارسال کردہ ''انوکھا دیس'' کے زیرِ عنوان نظم کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

غنچہ غنچہ' شاخ شاخ کتنی سوگوار ہے!
اس چمن میں آج کل زور پر بہار ہے!
کیا عجب دیار ہے!
رنگِ گل اُڑا اُڑا' بوئے گل لُٹی لُٹی
بلبلیں قفس میں ہیں' بوم نغمہ بار ہے!
کیا عجب دیار ہے!
تارِ عنکبوت کے جال ہیں بچھے ہوئے
لومڑی ہے گھات میں' شیر کا شکار ہے!
کیا عجب دیار ہے!

سابق امیر جماعت اسلامی کراچی شیخ سلطان احمد صاحب نے ایک بار مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک دفعہ نعیم صدیقی صاحب سے کہا کہ میں نے آپ کی تمام ہی نظمیں اور غزلیں پڑھی ہیں لیکن مجھے ایک بھی ایسی نہیں ملی جسے زیرلب گنگنایا جا سکے ـــــــ مجھے اس وقت یہ نظم یاد نہیں آئی ورنہ محترم شیخ صاحب سے عرض کرتا کہ آپ اس نظم کو تو گنگنا کر دیکھئے "کیا عجب دیار ہے' کیا عجب دیار ہے" ـــــــ بس مزہ ہی تو آ جائے گا ـــــــ!

میں نے اس مضمون میں نعیم صدیقی صاحب کا نصف صدی قبل کا کلام پیش کرنے کی کوشش کی ہے ـــــــ یہ نصف صدی کا قصہ ہے' دو چار برس کی بات نہیں ـــــــ میں نہ ادیب ہوں نہ شاعر ـــــــ بس اپنے مرحوم انقلابی شاعر کو نذرانہ عقیدت و محبت پیش کیا ہے۔

نعیم صدیقی صاحب ایک عہد ساز شخصیت تھے جو اب ہم میں نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی حسنات کو قبول فرمائے' غلطیوں سے درگزر کرے اور بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین!

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد!

اور ـــ

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

رہروانِ راہِ حق سے

ہے شوقِ منزل ہی آپ رہبر' بھٹک کے بھی راستا ملے گا
اکیلے ہو تو اکیلے نکلو' زمانہ خود ساتھ آ ملے گا
بہ زیرِ محرابِ تیغ اِمشب قیام کچھ دیر کر کے دیکھو
نیا حضورِ نظر ملے گا ' نیا سرورِ دُعا ملے گا
کچھ ایسے رہزن بھی راہ میں ہیں' جو زادِ راہ گرچہ لوٹ لیں گے
انہی کے حرفِ مخاصمت سے تمہیں خضر کا پتا ملے گا

(نعیم صدیقی)

جناب راشد شاز صاحب کے جواب میں

از: مولانا ثمیر الدین (ڈھاکہ)

مدیر محترم ماہنامہ میثاق لاہور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا یہ طویل خط اگر میثاق کے اوراق میں جگہ پا سکا تو زہے نصیب! اس سلسلہ میں عرض ہے مجھے اردو ادب سے چنداں تعلق نہیں ہے۔ ایک دہلی والے کے مکتوب بصورت مضمون کے سلسلے میں یہ طویل خط لکھا گیا ہے۔ کہیں ادبی خامی نظر آئے تو اصلاح فرمادیں۔ ورنہ خطرہ ہے کہ دہلی والے اس بنگالی کی چنگل ایک ہی پتھراؤ میں مفلوج کر دیں گے!

آپ کا مطیع فرمان
محمد ثمیر الدین غازی پوری

(ہم مولانا کی تحریر جوں کی توں شائع کر رہے ہیں تا کہ ''بنگالی اردو'' کی لذت سے بھی قارئین ''میثاق'' لطف اندوز ہوں —— ادارہ)

۸؍اگست ۲۰۰۴ء
مدیر محترم ماہنامہ میثاق لاہور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے بفضلہ تعالیٰ آپ حضرات خیر و عافیت میں ہوں گے۔ میثاق بابت ماہِ اگست ۲۰۰۴ء ملا۔ بہت بہت شکریہ۔ اس ماہ کے شمارے میں صفحہ ۷۱ پر نئی دہلی سے جناب راشد شاز صاحب کا گرامی نامہ بنام گرامی قدر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نظر سے گزرا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ شاز صاحب کی توجہ اُمت کی زبوں حالی پر ہے اور تلاشِ مداوا میں بھی فکر مند ہیں۔ انہوں نے سوال اٹھایا اس سلسلہ میں کیا کیا جائے؟ کیسے کیا جائے؟ اس کا آغاز کہاں سے

ہو؟ یہ سوالات جناب بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد دام ظلہ کے نام خط میں ہیں' لہٰذا جوابات انہی کے ذمہ ہیں۔ اگر چہ جن حضرات کو جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدّ ظلہ العالی کے تصنیفات سے واقفیت ہے' اجمالی طور پر ان اٹھائے گئے سوالات کے جوابات ان کو ایک حد تک معلوم ہیں' کیونکہ تنظیم اسلامی کی ابتداء بیعت سے ہوتی ہے۔ پھر بھی جناب ڈاکٹر صاحب کے جواباتِ دلنواز کے لئے مُرسل کی طرح ہم بھی منتظر ہیں۔ تاہم چند گزارشات جناب شاز صاحب سے عرض کرنے کی جراُت آ گئی ہے۔ وہ گزارشات حسب ذیل ہیں:

(ا) جناب شاز صاحب نے اپنے عالی مکتوب میں ربائیت' پاپائیت کے جمرے میں ''مولویت'' نامی مذہبی اجارہ داری کا بھی ذکر فرمایا ہے' حالانکہ یہ ایک پھبتی یا گالی ہے جو دل جلے بعض تجدد پسند اشخاص کی طرف سے جدید اردو ادب میں نو وارد اضافہ ہے' ورنہ ماضی کی اسلامی فقہ کی طویل تاریخ میں ''مولویت'' نام کی کوئی شے تلاشِ بسیار کے بعد بھی دستیاب نہ ہو سکے گی۔

علم فقہ کی بنیاد اصول فقہ پر ہے' اور اصول فقہ کی چھوٹی سی کتاب بھی اٹھا کر دیکھ لیں' معلوم ہوگا کہ اصول فقہ کی بنیاد چار ہیں: (ا) کتاب اللہ (۲) سنت رسول ﷺ (۳) اجماع (۴) قیاس۔ اور ان اصول اربعہ میں درجہ بندی ہے جس کو توڑ کر کوئی فقیہہ یا عالم اپنی بات نہیں منوا سکتے' مگر متجدّ دین کی روش الگ ہے۔ کتاب اللہ کے خلاف حدیث کی بات اور حدیث صحیح کے خلاف اجماع یا اجماع کے خلاف قیاس کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر یہاں بندہ اور خداوند تعالیٰ کے بیچ میں ''مولوی'' کہاں اتر آئے؟ جیسا کہ یہودی اور عیسائی فقہ اور دیگر مذہبی تصور میں پادری' پاپا' پروہت' پنڈت کا مقام ہے۔ اس اصولی بات سے واضح ہے کہ کوئی مولوی یا مفتی اگر ایسی توضیح یا تاویل پیش کرے جو کتاب اللہ' سنت رسول اللہ' اجماع کے خلاف ہو وہ بھی قابل اعتبار نہیں ہوگی۔ فتاویٰ کی کتابوں میں باب ''رسم المفتی'' کا مطالعہ کر لیں۔ سمجھ میں نہیں آتا ''مولویت'' کا مذہبی منصب شاز صاحب کو کہاں سے ہاتھ لگا! فاضل مکتوب نگار نے دل کے پھپھولے توڑتے ہوئے اپنے مکتوبِ گرامی کے دو مقام پر دل کا بھڑاس نکالے ہیں (ص ۵'۶'۷ ملاحظہ ہو) اور اپنی خانہ ساز اصطلاح نام نہاد ''مولویت'' ایجاد کر ڈالے ہیں۔ اسلام میں مولوی پاپا کا وجود نہ ماضی میں تھا نہ ہی حال میں ہے۔ ایسا ہی ماضی میں ''تجدد پسندی'' نہیں چلی' آئندہ بھی نہیں چلے گی۔ آخر قدامت پسند مولوی تو زندہ ہے!

(۲) ٹرکی کی خلافت عثمانی کے زوال کے بعد سے عنانِ حکومت تو بدنام روزگار ''مولویوں'' کے ہاتھ میں نہ رہا۔تو آج تک اُمت کا تنزل کیوں؟اقبال مرحوم نے فرمایا تھا: ''جعفراز بنگال وصادق از دکن۔ننگ دین' ننگ دنیا' ننگ وطن''۔مگر جعفر و صادق مولوی نہیں تھے۔کیا موجودہ عراق کے امریکہ کے ایجنٹ حکمران مولوی ہیں؟ افغانستان کا حامد کرزئی مولوی ہیں؟ صدام' ناصر' حسنی مبارک مولوی ہیں؟ ہرجائی لومڑیٔ کشمیر شیخ عبداللہ' سعودی بادشاہ' ان کے صاحبزادے مولوی ہیں؟ امارات کے مشائخ و امراء مولوی ہیں؟ تو پھر ''مولوی'' کا رونا کیوں؟ علماءِ ہند کے شاندار ماضی پڑھئے اور شرم سے سرنگوں کرلیں۔ ماضی میں سید احمد بریلویؒ کی تحریک جہاد پر غور کریں تو شاذ صاحب کو ''شاذ'' ہی کوئی مولوی مجرم نظر آئے!اللہ را مولویوں پر برسنا چھوڑ دیں اور اگر کچھ کرنا ہے تو کر کے دکھادیں۔

(۳) لیکن کر کے دکھانے کا امکان غالباً مکتوب نگار کی ذات گرامی میں مفقود نظر آئے۔کیونکہ شروع ہی سے پتہ چلتا ہے کہ شاذ صاحب کی ''تحریک اصلاحِ اُمت'' مولویوں کی اندھی دشمنی پر مبنی ہے۔وہ تو مولویوں کے نام نہاد ''اصر و اغلال'' سے اسلام و اُمت کی گلوخلاصی کرانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام عالی پر لاکر تجدید دین کرنے کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہیں۔شاذ صاحب رقم طراز ہیں: ''لیکن جو لوگ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے مقصد بعثت سے متعلق اس ارشاد سے واقف ہیں ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف:۱۵۷) ان کے لئے اس نکتے کا ادراک مشکل نہیں کہ جس طرح قرآن مجید خدا اور بندے کے درمیان کسی ربائیت' یا پاپائیت کو قابل استرداد سمجھتا ہے اسی طرح وہ ''مولویت'' کے ادارے کا بھی انکاری ہے''۔(ص ۷۵) گویا غلام احمد پرویز کی روح بول رہی ہے۔

قرآن فہمی کا کیا نادر شاہکار ہے؟ آیت مذکورہ میں قوم نصاریٰ و یہود کے خود کردہ کچھ ''التزام ما لا یلزم'' کو ''اصر و اغلال'' کہا گیا ہے۔داور ان کی خود ساختہ شریعت کا ذکر کیا گیا ہے۔اس طرح ان کی خود کاری کا ذکر قرآن مجید کے مختلف جگہوں میں وارد ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۞﴾ (البقرۃ:۷۹) اور آیت قرآنی: ﴿...... وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (الحدید:۲۷) مذکورۃ الصدر سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۷۹ کے شروع میں فرمایا گیا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ﴾ ......سوال پیدا

ہوتا ہے کیا کبھی کسی ''مولوی'' نے قرآن مجید میں ایسا محق واضافہ کرڈالا ہے جس سے قرآن مجید غیر محفوظ ہو کر نا قابل اعتبار قرار دیا جائے؟ کیا قرآن مجید میں تحریف کردی ہے مولویوں نے؟ پھر تو ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (الحجر:۹) بے معنی اعلان ہوگا۔

(۴) جناب شاز صاحب آگے لکھتے ہیں: ''نہ تو تشریح وتفسیر پر کسی کی اجارہ داری ہے اور نہ ہی کسی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی صحیح العقیدگی پر شبہ وارد کرے۔ اہل ایمان کو تو چھوڑیئے اللہ تعالیٰ نے تو حلقۂ اسلام سے باہر افراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَفۡصِلُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ﴾''

یہ جناب شاز دہلوی صاحب کے قرآن فہمی کا دوسرا شاہکار ہے۔ یہاں جناب شاز صاحب نے کمال کردیا ہے اور زورِ قلم سے تفسیر وتعبیر پر کسی کی اجارہ داری کو ختم کردیا ہے۔ پتہ نہیں کب بقول ان کے ''مولویت کے ادارے'' کی اجارہ داری قائم ہوئی تھی؟ اور ''مولویت کے ادارے'' ہی کب اور کہاں قائم ہوئے؟ ایک نہیں ایک سے زائد ایسے قائم شدہ ''ادارے'' کا اتا پتہ جناب شاز صاحب ان کے غریب قارئین کو لکھ کر بتادیتے تو ہم ان سے رابطہ کرکے نام نہاد اجارہ داری کے جواز کی سند طلب کرتے۔ یا جناب نے خود ساختہ خیالی ہدف پر ہوائی وار کرنا شروع کیا ہوگا۔

ہاں بھائی شاز دہلوی صاحب! ہر قسم ایرے غیرے سرپھرے کو قرآن مجید پر طبع آزمائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پھر تو قرآن مجید بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے ماہرین علوم قرآن نے تفسیر وتعبیر وتاویل قرآن مجید کے لئے کچھ شرائط عائد کی ہیں۔ کم ازکم دستیاب کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' عربی زبان میں سمجھ کر پڑھنے کی صلاحیت ہوتو کوئی شخص ایسی بودی باتیں نہیں لکھ سکتا جو آپ نے تحریر فرمایا۔ میں آپ سے حوالہ دے کر دو بدو بات کرلیتا لیکن مکتوب کو تو کتاب بنانا مشکل ہے۔ اور کتابوں کے اقتباسات پیش کرنے سے آپ فرمائیں گے یہ تو وہی اجارہ داری ہوئی۔ آپ تو اجارہ داری ختم کرنے کے فلسفہ پر مادر وپدر آزاد قرآن مجید کی تفسیر وتعبیر کے لئے کھلی سارٹیفکیٹ عطا کرنے کا دروازہ پٹ کھول دینا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح من مانی تعبیر وتفسیر کی ''تجدد پسندی'' کا جواز نکالنا چاہتے ہیں۔ خیر اس قسم کے چوردرواز ے کھول لیں۔ لیکن کوئی اگر کہے اس طرح کی تفسیر وتعبیر کرنے کی اجارہ داری آپ کے لئے کیسے جواز پاجائے گی' حالانکہ آپ نے دوسروں کے لئے اس قسم کی اجارہ داری کو ختم کردیا؟ علاوہ ازیں تفسیر بالرائے پر قرآن وحدیث میں سرزنش کی گئی ہے' جس کو

تحریف معنوی کہتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی: ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾ (المائدہ:۱۳) ﴿مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾ (النساء:۴۶) ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ﴾ (المائدۃ:۴۱) ﴿وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ﴾ (البقرۃ:۷۵) یہ آیات تحریف معنوی اور تحریف لفظی سمیت ہر قسم کی غلط تفسیر و تعبیر کو ناجائز قرار دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے خالص عقلی اور علمی بنیاد پر تفسیر و تعبیر قرآن مجید کے لئے چند قواعد و ضوابط کی نشان دہی کی ہے۔ اگر ''دل لی'' والوں کے پاس دلخواہ مزید معقول شرائط و ضوابط کا خزانہ موجود ہو تو ''چشم ماشاد و دل ما روشن'' آیئے اور خزانۂ خرد و فراست کا ساغر انڈیل دیجئے! مے خانے والے منتظر ہیں۔ جناب شاز دہلوی صاحب اپنے تئیں ساز و گداز کے پیانۂ خرد بنام ''فیوچر اسلام'' شائع فرمانے کا عندیہ ظاہر فرماتے ہیں۔ ہم دیکھنے کو ترس رہے ہیں کہ جناب شاز دہلوی کون سی ساز ''دل لی'' والی سُر الاپنے والے ہیں۔ لیکن دورِ رقیباں سے الحذر صد الحذر۔ پھر عرض ہے ''تجدد پسندی'' کو ماضی میں بغیر چیلنج کے جانے نہیں دیا گیا' مستقبل میں بھی چیلنج کیا جائے گا۔ خارِ مغیلاں پر نظر رکھ اور صحرا نوردی کا مزا لوٹ۔

جناب شاز صاحب نے مذکورہ بالا اپنی عبارت میں قرآن مجید پر آزادانہ رائے زنی کا حق جتایا ہے' حالانکہ قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر اگر منشائے خداوندی کے خلاف کوئی کرے تو اس پر وعید وارد ہونے کا اعلان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۞ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ۞ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ ۞﴾ (الحاقۃ:۴۴-۴۶) یہاں بالفرض محال ذرہ سی بات بنا کے بولنے پر نبی ﷺ کی رگِ حیات کاٹ دینے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اس صورت میں غیر نبی اگر قرآن پر غلط مفہوم دھر دے تو اس کو معاف کرنے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا قرآن مجید کی غلط تفسیر و تعبیر کرنا انتہائی غلط کاری ہو گی۔ لہٰذا غلط اور صحیح میں فرق کرنے کے لئے کوئی معیار تو ہونا چاہئے' نہ کہ آزادانہ رائے زنی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔ اس پر اگر ہمارے کرم فرما ہم پر اجارہ داری کا الزام لگا دیں تو غلط تفسیر و تعبیر کا راستہ بند کیسے کیا جائے؟ اور کوئی تجدد پسند اگر من مانی معانی و مطالب نکالے تو اس کو کس قاعدہ سے روکا جائے؟

(۵) قرآن فہمی کا آخری شاہکار یہ پیش کیا گیا کہ ''اور نہ ہی کسی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی صحیح العقیدگی پر شبہ وارد کرے۔ اہل ایمان کو تو چھوڑیئے اللہ تعالیٰ نے تو

حلقۂ اسلام سے باہرافراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَفۡصِلُ بَیۡنَھُمۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ﴾''

کیا خوب! اب تو جناب شاذ صاحب نے بدعقیدگی پر گرفت کرنے کا حق بھی چھین لئے ہیں۔ کوئی اگر شرک و بدعت کا مرتکب ہوا تو اس کو نہی عن المنکر کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اور کفر و شرک' بدعت و ضلالت کو کفر و شرک کہنا بدعت و ضلالت کہنا یا اس پر باز پرسش کرنا بندہ کا حق نہیں' یہ صرف اللہ تعالیٰ کا خدائی حق ہے۔ یہاں تک کہ بقول ان کے حلقہ اسلام سے باہر افراد کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے۔ جب کافروں کو اُن کے کفر و شرک پر سرزنش کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے تو کافر و مشرک لوگوں سے اسلام کے نام پر جہاد و قتال کا جواز کہاں سے آئے گا؟ پھر تو خود رسول اکرم ﷺ نے بھی (خاکم بدہن) اپنے دائرۂ اختیار سے باہر قدم رنجاں فرمائے تھے۔ کفار و مشرکین سے لڑائی کر کے بڑی غلطی کا ارتکاب فرمائے تھے؟ کیونکہ کفر و شرک کی طرح نادرستگی عقیدہ پر بقول روشن خیال ہمدرد اسلام و امت مسلمہ شاذ صاحب کے کفار کے ''صحیح العقیدگی'' پر شبہ وارد کرنے کا حق نہ نبی کا تھا نہ ہی دوسرے کسی مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ صرف اللہ کا حق ہے۔ یہ تو مرحوم جگر مرادآبادی کی شعرگوئی ہوگئی' جس پر پورا کا پورا مشاعرہ عش عش کی صدائے تحسین برسادے۔ حالانکہ خود کلام پاک میں آیا ہے: ﴿فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ ...... وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ﴾ (النساء: ۸۴) ''خود بھی اللہ کی راہ میں قتال کرو...... اور مومنین کو بھی قتال پر آمادہ کرو''۔ ﴿یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ ؕ﴾ (الانفال: ۶۵) غرض کہ قتال مع الکفار والمشرکین پر اور امر بالمعروف' نہی عن المنکر پر بے شمار آیتیں ہیں' یہ سب حرفِ غلط کی طرح کتاب مبین سے مٹا دینی چاہئیں۔ قرآن سے اتنی بے خبری اور راہنمائے قوم و ملت بننے کی خواہش! سنئے۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں: ﴿قَالَ یٰھٰرُوۡنُ مَا مَنَعَکَ اِذۡ رَاَیۡتَھُمۡ ضَلُّوۡۤا اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیۡتَ اَمۡرِیۡ ﴾ (طٰہٰ: ۹۲' ۹۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے' اُمت جب گمراہی اختیار کرے تو اس بدعقیدگی پر ان کو روکنا ضروری ہے۔ یہ تو خیر ایک نبی کا اپنے بھائی دوسرے نبی سے جواب طلبی کا واقعہ ہے۔ عام علماء اور نیک لوگوں کا فریضہ ہوتا ہے بداعمالی سے لوگوں کو باز رکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَوۡ لَا یَنۡھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِھِمُ الۡاِثۡمَ وَاَکۡلِھِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴾ (المائدۃ: ۶۳) کیا صاحب یہاں تو بقول آپ کے ربائیت' پاپائیت بلفظ دیگر ''مولویت'' والوں سے کہا گیا ہے کہ ان کی ذمہ

داریاں اور تبلیغی فریضہ تھا قوم کو حرام خوری سے‘ جھوٹ بولنے سے روکنا۔ قوم کی بدعقیدگی و بدمعاملت سے خبردار کرنا! اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ حق اللہ کا ہے بندہ کا نہیں‘ حتیٰ کہ جو افراد حلقۂ اسلام سے باہر کے ہوں اُن کو بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی باز پُرس کرنے کا مالک ہے۔ بندوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

آیئے آپ نے قرآن مجید کی جس آیت مبارکہ کے غلط حوالہ سے بات کہی ہے اس کا جائزہ لیں۔ یہ آیت سورۃ الحج کی ۱۷ نمبر آیت کا آخری حصہ ہے۔ قیامت کے دن ایک مؤمنین صادقین کی جماعت ہوگی۔ ان کے مقابلے میں یہودی‘ صابئین‘ نصاریٰ‘ مجوس و مشرکین ہوں گے۔ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ بدعقیدگی اور نیک و صحیح عقیدہ کی بنیاد پر بہشت کا اور دوزخ کا آخری فیصلہ سنا دیں گے‘ نہ یہ کہ اس دنیا میں صحیح عقیدۂ توحید کے خلاف شرک سے ملبس غیر صحیح العقیدگی پر ٹوکا نہیں جاسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ط﴾ (التوبۃ: ۳۶) جناب فاضل مقالہ نما مکتوب نگار صاحب سے سوال ہے: آپ نے اس آیت سورۃ التوبۃ کی جس طرح غلط تفسیر و تعبیر پیش کی ہے اس قسم کی تحریف اور فاسد معنی نکالنے کے لئے آزادانہ رائے زنی کا دروازہ آپ کھول دینے کا بظاہر معصومانہ ارادہ چھپائے ہوئے ہیں؟ یاد فرمادیں ماضی میں فرقہ باطنیہ اور زنادقہ اور ملاحدہ نے کئی بہتیرے کوششیں تھیں مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ لہٰذا علم و عقل سے کام کیجئے؟ غلط توضیحات پیش کرنے سے باز رہنا ہی بہتر ہوگا۔ کہا جاتا ہے ’’قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مارا‘‘۔ مؤقر مجلّہ ’’میثاق‘‘ لاہور میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نام آپ کا مکتوب سے آپ کی بہارِ ضلالت کا پتہ مل جاتا ہے۔ اب کہاں سے آپ کام شروع کریں گے اور کیسے؟ اس کا جواب خود جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب عنایت فرمائیں گے۔

والسلام

مولانا محمد ثمیر الدین غازی پوری

ڈھاکہ۔ بنگلہ دیش

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

افکار و آراء

(۱)

محترم ڈاکٹر صاحب کے خطباتِ خلافت کی روشنی میں

آج کے دور میں مسلمان ہر طرف سے پریشان اور ہراساں ہے۔ ساتھ ہی اللہ پر یقین نہ ہونے کے برابر ہے۔ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ۔ وسوسوں کا شکار یہ مسلمان کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ انحطاط کی اس کیفیت سے جو مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے کیسے نکلا جائے؟ محترم ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں اپنے خطبات میں جو باتیں کہی ہیں وہ بہت اہم اور قابل عمل ہیں' لیکن مسئلہ communication کا ہے۔ جب تک ہم صحیح طور پر اپنے درمیان کمیونیکیشن نہیں کر پاتے یہ محض theoratical بات ہو کر رہ جاتی ہے یا جسے ہم Hypothesis کہتے ہیں۔ کمیونیکیشن کا اصول ہے کہ جو بھی پیغام دیا جائے وہ صاف' شفاف' آسان اور قابل فہم ہو اور جس طبقہ کو خطاب کرنا مقصود ہو اُس کی زبان میں ہو۔ اس کے بعد پیغام کی ترسیل کے ذرائع ہیں۔ اور پھر ان کا ردِّعمل اور Feed back۔ پھر جا کر ایک loop بنتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ کمیونیکیشن کا مرحلہ طے ہوا۔ میرے نزدیک اس loop میں ردِّعمل کا اندازہ نہیں ہو رہا جس کی وجہ سے loop مکمل نہیں ہو پاتا اور ہمارا تمام کام یا کاوش نامکمل رہ جاتی ہے اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا' جس سے ہم اپنے آپ کو وہیں پاتے ہیں جہاں سے شروعات کی تھیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات کو مختلف categories میں لسٹ کیا جائے اور پھر اُن کے ساتھ mutual communication کی حکمت عملی کو وضع کیا جائے' تاکہ کلاسیکل انداز میں کمیونیکیشن کا مرحلہ طے ہو جائے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ ہم Field Level پر Tactics کو وضع کریں۔ یہ اس وقت ہو گا جب ہم نے زمینی حقائق کو اچھی طرح سمجھ کر اُن کا بھرپور نچوڑ نکال کر اپنے لئے ترجیحات مرتب کرنی ہوں۔ یہ کام ماہرین کا ہے جو مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھتے ہوں اور گروپ Psyche پر نظر رکھتے ہوں۔ اس کے بعد وسائل اور بہت ساری تفصیلات پر سوچ و بچار کا عمل ہو گا' تب جا کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم لوگوں کو اسلامی نظامِ خلافت کی طرف راغب کریں اور اس کے قیام کی کوشش میں ان کو

اپنے ساتھ ملائیں۔

ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ indoctrination کا مرحلہ سب سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل ہوتا ہے۔ تمام انقلابات یا Major Reforms جب بھی آئیں یا لائی گئیں اس میں سب سے پہلے Grounds تیار کئے گئے۔ ہمارے کیس میں کسی حد تک Grounds تقریباً تیار ہیں۔ اب ضرورت صرف عوام کو اس طرف متوجہ کرنے اور دین کے حوالے سے انہیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی ہے۔ یہ کام علماء کرام‘ دانشوروں اور معاشرے کے ذمہ دار حضرات کا ہے کہ وہ مل جل کر یہ کام کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ حضرات اپنے کردار اور اپنی personality کو سنت نبویؐ کے زیادہ سے زیادہ قریب لائیں‘ تا کہ انہیں عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ بدقسمتی سے آج ہماری ساری توجہ روٹی کپڑا اور دوسرے بنیادی معاملات پر ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کچھ ایسے لوگ موجود ہوں جن کی زندگیوں میں دین اور دنیا کا ایک توازن نظر آئے۔ میں ڈاکٹر صاحب کے خطبات پڑھ کر متاثر بھی ہوا ہوں اور یہ جذبہ بھی پیدا ہوا ہے کہ ہمیں آرام سے نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ اپنے حقوق اور اپنے نظریات کی بقاء کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔ ورنہ ہم اقوام عالم میں پیچھے تو ہیں ہی مگر اتنے پیچھے نہ رہ جائیں کہ گم ہی ہو جائیں۔

داعی الی الخیر

گروپ کیپٹن (ر) انعام الحق فرخ

لاہور

(۲)

”ایک رفیق تنظیم کو رات کا راہب اور دن کا مجاہد ہونا چاہئے!“

انجینئر نوید احمد صاحب کا مراسلہ اور اس کا جواب

مورخہ: ۵/اگست ۲۰۰۴ء

محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب‘ مدیر ماہنامہ میثاق‘ لاہور!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.................مزاج بخیر!

ماہنامہ میثاق کی اگست ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں تنظیم اسلامی کے ایک سینئر رفیق نے اپنے معمولاتِ روز وشب تحریر فرمائے ہیں۔ قاسم محمود صاحب کا یہ تبصرہ بجا ہے کہ یہ معمولات

مثالی ہی نہیں قابلِ تقلید بھی ہیں۔ اس تحریر میں گراں قدر ادعیۂ ماثورہ' اذکارِ مسنونہ اور نمازِ تہجد کی فضیلت کے حوالے سے نکات بیان ہوئے ہیں۔ یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ رفیق محترم اپنی تسبیحاتِ روز و شب کا شمار دانوں پر نہیں ہاتھ کی انگلیوں کے نشانات پر کرتے ہیں۔ یہ طریقہ احسن ہے' کیونکہ مسنون ہے اور دکھاوے سے محفوظ ہے۔

اس عریضہ کے ذریعہ میں رفیق محترم سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے تحریرشدہ معمولات کے ساتھ ساتھ رفیق تنظیم کے لئے مطلوبہ اوصاف کے لئے کیسے وقت نکالتے ہیں؟ یعنی ترجمہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن حکیم' حفظِ قرآن' مطالعۂ میثاق و ندائے خلافت' اسرہ جاتی و تنظیمی اجتماعات میں شرکت' روزانہ دعوتی و تحریکی سرگرمیوں اور خصوصی مہمات کے لئے تفریغِ اوقات وغیرہ۔ التماس ہے کہ وہ اس حوالے سے بھی اپنے معمولات تحریر فرما دیں تا کہ محسوس ہو کہ ایک رفیق تنظیم صرف رات کا راہب نہیں بلکہ دن کا مجاہد بننے کی بھی اپنی سی کوشش کرتا ہے۔

والسلام مع الاکرام
انجینئر نوید احمد

جوابی وضاحت

محترمی و مکرمی' سلام مسنون!

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

رفیق محترم جناب انجینئر نوید احمد کا ایک گرامی نامہ آپ نے مجھے ارسال فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں میری گزارشات درجِ ذیل ہیں:

(ا) سب سے پہلے تو میں یہ بتا تا چلوں کہ محترم بانیٔ تنظیم کی طرح یہ بندہ بھی شامِ زندگی سے شبِ زندگی کے دَور میں داخل ہو چکا ہے۔ اس لئے اُس سے اُن کاموں کی توقع نہ کی جائے جو ایک فیلڈ ورکر سے کی جا سکتی ہے۔ تاہم یہ کام بھی میں اپنی بساط بھر کرتا رہتا ہوں۔ ایک صاحب امریکہ سے ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں۔ امریکہ جانے سے قبل تنظیم اسلامی سے ان کا تعارف تھا' واپس آ کر کوئی تعلق نہ رہا۔ میں نے ان سے رابطہ کیا۔ ملاقاتیں کرتا رہا۔ اپنے پاس سے کوئی تین ماہ تک باقاعدگی سے ''ندائے خلافت'' اور ''میثاق'' ان کے گھر پر پہنچاتا رہا۔ ملاقاتوں میں پتہ چلا کہ باوجود شدید مصروفیت کے وہ ان کے مطالعہ کا وقت نکالتے ہیں۔ پھر اُن سے دونوں رسالوں کا سالانہ چندہ لے کر ان کا

خریدار بنالیا۔ اسی طرح پچھلے دنوں ایک اور صاحب سے رابطہ کرتا رہا اور انہیں بھی ''ندائے خلافت''، ''میثاق'' اور ''حکمت قرآن'' کی سالانہ خریداری پر آمادہ کرلیا۔ نیز انہیں تیار کیا کہ وہ قرآن اکیڈمی سے عربی وغیرہ کا کورس کریں گے۔ وہ ایک غیر ملکی کمپنی میں انجینئر کی حیثیت سے ملازم ہیں اور بیرونی تعلیم یافتہ ہیں۔

(۲) میں تنظیم اسلامی کا تاسیسی رفیق ہوں۔ نوجوانی ہی میں تحریک سے متعارف و متاثر ہوا تھا اور الحمدللہ اُسی وقت سے دین کے حرکی تصور کو حرزِ جاں بنایا ہے۔ گزشتہ ۵۴ سال میں ایک لحہ بھی اپنے مقصد زندگی سے غافل نہیں رہا اور اپنے جسم و جان کی تمام قوتوں کو اقامتِ دین کے بلند نصب العین کے لئے کھپا تا رہا ہوں ۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا!

میں اپنے تحریر کردہ روز مرہ کے معمولات کے ساتھ ساتھ الحمد للہ اب بھی پورا پورا وقت دوسرے کاموں کے لئے نکالتا ہوں۔ میرا معاملہ یہ نہیں ہے کہ ''تو مگر اللہ ہوٗ اللہ ہوٗ اللہ ہوٗ''۔ اس ضعیف العمری اور گوناگوں جسمانی عوارض کے باوجود نوجوانی کے جذبہ کے ساتھ کام کرتا ہوں اور میری رگوں میں اب بھی دین کی سربلندی کے لئے گرم گرم خون جوش مارتا رہتا ہے' اس لئے کہ ۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو وہ لہو کیا ہے!

اسلام کے انقلابی تصور کا علم جو میں نے نوجوانی میں اٹھایا تھا الحمد للہ اب تک پوری مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہوں اور دعا ہے کہ آخری سانس تک اس کا علمبردار رہوں ۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات ' کشمکش انقلاب!

(۳) آپ نے معلوم کرنا ہی چاہا ہے تو عرض ہے میں تلاوت قرآن میں پہلے ایک منزل روزانہ کیا کرتا تھا' چند سال یہی معمول رہا' پھر ایک پارہ روزانہ' لیکن اب کوئی ایک سال سے ترجمہ کے ساتھ تقریباً ایک پاؤ روزانہ کرتا ہوں۔ تفسیر بھی دیکھ لیتا ہوں۔

اب سے کوئی ڈیڑھ دو سال قبل محلّہ کی مسجد سے ملحق مدرسہ میں قرآن حکیم حفظ کرنے کے لئے داخلہ لیا۔ ارادہ پورے قرآن حکیم کو حفظ کرنے کا تھا لیکن آخری تین ساڑھے تین

پارے حفظ کرنے کے بعد دماغی کمزوری اور دیگر جسمانی عوارض کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول میں نے اپنے ارادے ٹوٹنے سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔

ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' کے لئے پورا وقت نکالتا ہوں۔ ماہنامہ ''میثاق'' اور ''حکمت قرآن'' بھی زیر مطالعہ رہتے ہیں۔ میرا مطالعہ کا ذوق وسیع ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا ہے تو عرض ہے کہ مندرجہ ذیل تعداد میں رسائل و جرائد میرے زیر مطالعہ رہتے ہیں۔

تین عدد روزانہ اخبارات تفصیل کے ساتھ مع اداریہ اور کالم نگاروں کے کالم۔

آٹھ عدد ماہنامے' ایک عدد پندرہ روزہ اور پانچ عدد ہفت روزہ جرائد۔

یہ سب رسائل و جرائد میں اپنی جیب سے خریدتا ہوں۔ ان کے علاوہ متعدد کتب بھی زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ذریعے مغربی ممالک سے شائع ہونے والے رسائل و جرائد کے مضامین بھی مجھے ملتے رہتے ہیں۔ ''بزنس ویک'' کا ایک مضمون ''THE 100 TOP BRANDS'' میرے سامنے ہے جس میں غیر ملکی مصنوعات کے سو Top برانڈز' ان کی ۰۳-۲۰۰۲ء اور ۰۴-۲۰۰۳ء کی فروخت کا موازنہ نیز owner ملک کا نام دیا ہوا ہے۔ ۹/۱۱ کے سلسلہ میں جیمز بیمفورڈ کی کتاب ''A Pretex for War'' کا اردو ترجمہ ایک اخبار میں شائع ہو رہا ہے جو میرے زیر مطالعہ ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی چیزیں میں پڑھتا رہتا ہوں' اس اصول کے ساتھ کہ ؎

برنگِ بحر ساحل آشنا رہ
کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا!

اس طرح ملکی و غیر ملکی حالات پر پوری نظر رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور up-date رہتا ہوں۔ میں نہ عارف ہوں' نہ مجدد' نہ فقیہہ۔ ایک عام سا آدمی ہوں۔ علم و ادب' خاص طور پر دینی علوم سے تعلق بہت کم ہے۔ پڑھنے کا دائرہ وسیع ہے۔ اپنی بے بضاعتی کے باوجود کچھ لکھنے کی بھی کوشش کرتا ہوں۔ اپنے حاصل مطالعہ میں دوسروں کو شریک کرتا ہوں' وہ اس طرح کہ ایک ہفت روزہ میں میرے مضامین پابندی سے ہر ہفتہ اور تین ماہناموں میں کبھی کبھی شائع ہوتے ہیں۔

(۴) گھر پر ایک ذاتی لائبریری بنائی ہوئی ہے جس میں تقریباً ہر موضوع پر کوئی ۳۵۰۰ کتب موجود ہیں۔ ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ میرے محلّہ کے لوگ' دوست' احباب اور رفقاء تشریف لاتے ہیں اور کتابیں ایشو کرا کے لے جاتے ہیں۔ خواتین بھی کتب منگواتی رہتی

ہیں۔اس طرح جولوگ آتے ہیں ان سے گفتگو کرنے اور اپنی دعوت پہنچانے کا موقع مل جاتا ہے۔پچھلے دوسال میں ۷۷۴ کتب جاری کی جا چکی ہیں۔میرے پاس نسیم حجازی کے ناولوں کا سیٹ اور دیگر ادبی و اسلامی ناول و افسانے نیز طنز و مزاح پر مشتمل کتب خاصی تعداد میں ہیں۔نوجوان طبقہ زیادہ تر انہی کی طرف راغب ہوتا ہے۔میں یہ کرتا ہوں کہ ہر ناول/افسانہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی دینی پمفلٹ یا کتاب بھی دے دیتا ہوں تاکہ دینی تربیت بھی ہو سکے اور دعوت نفوذ کر سکے۔

(۵) صبح سے رات گئے تک شدید مصروفیت رہتی ہے' لیکن دوست واحباب اور قریبی رشتہ داروں سے ان کے گھروں پر ملاقات کے لئے وقت نکالتا ہوں۔روزانہ چہل قدمی بھی کرتا ہوں۔روزانہ دو تین دعوتی خطوط تحریر کرتا ہوں اور اتنے ہی جوابات بھی موصول ہوتے ہیں۔نمازیں باجماعت ادا کرتا ہوں۔مہینہ میں کبھی کوئی نہیں' کبھی دو تین بغیر جماعت کے ہو جاتی ہوں گی۔تنظیم اسلامی اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی اعانت ہر سال جولائی کے پہلے ہفتہ میں ایک سال کی پیشگی جمع کرا دیتا ہوں کہ نہ جانے کب دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ تفریغِ اوقات کے لئے جب اپیل کی گئی تو لبیک کہنے والوں اور پوری زندگی لگانے والے اوّلین لوگوں میں سے یہ بندہ بھی تھا۔

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں' میں اسی لئے نمازی!

ضعیف العمری اور گونا گوں جسمانی عوارض کی بنا پر محترم امیر حلقہ نے ازراہِ کرم اس بندہ کو تنظیم کے اجتماعات سے exempt کر دیا ہے۔البتہ بڑے اجتماعات اور سالانہ اجتماع میں شریک ہوتا ہوں۔کار خود ڈرائیو کرتا ہوں۔الحمد للہ جہاں چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں۔مال روڈ' لکشمی چوک' شاہ عالمی' اسٹیشن وغیرہ رش کی جگہ بھی کار چلا سکتا ہوں۔میری یہ خوش قسمتی ہے کہ مجھے قرآن اکیڈمی سے قرب حاصل ہے اور محترم امیر تنظیم سے اکثر رابطہ میں رہتا ہوں۔

محترم سید قاسم محمود صاحب نے میرے روز و شب کے معمولات پر یہ تحریر کر کے کہ یہ مثالی ہی نہیں قابل تقلید بھی ہیں' مجھے بہت ہی شرمندہ کر دیا ہے۔یہ تو کم از کم ہے جو میں کر رہا ہوں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے مزید کام کرنے کی توفیق اور اس میں استقامت عطا فرمائے نیز شیطان کے شر سے محفوظ رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بسے
شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!

جن اصحابِ قدسیہ کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی اُن تک کا حال یہ تھا کہ وہ لرزتے تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ کہتے تھے کہ کاش میں ایک تنکا ہوتا اور دریا کی موجیں مجھے بہالے جاتیں' مجھ سے حساب کتاب تو نہ ہوتا۔ حضرت عمر ؓ درخت کے نیچے لیٹ کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں' میری ہڈیاں چٹخنے لگی ہیں' اب تو مجھے اس حال میں اٹھالے کہ میرے دونوں پلڑے برابر رہ جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے منافقین کے نام صرف حضرت حذیفہ ؓ کو بتائے تھے۔ اسی وجہ سے وہ صاحبِ سرّ النبی کہلاتے ہیں۔ حضرت عمر ؓ انہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتے تھے کہ بتادو کہیں میرا نام تو اس فہرست میں شامل نہیں ہے۔ یہ تھا ان حضرات کا حال۔ ہم اور ہمارے اعمال تو ان کے سامنے آفتاب اور ذرے کی نسبت رکھتے ہیں۔ کاش ہمیں بھی دوزخ کی آگ سے واقعی بچنے کی کوئی حقیقی فکر ہوتی۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

آخر میں عرض ہے کہ شاید کہ کچھ لوگ یا کوئی رفیق یہ کھوج لگانے کی کوشش کرے کہ راقم الحروف کون ہے تو انہیں ایک تو اس قرآنی ہدایت کو یاد دلانا ہے کہ "لَا تَجَسَّسُوْا"۔ دوسرے یہ کہ انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا کہا جارہا ہے' نہ یہ کہ کہنے والا کون ہے! اس موقع پر مجھے فارسی کا یہ شعر یاد آگیا جو ہے تو وفات کے بعد سے متعلق (اور کیا معلوم کہ میری اجل سر پر کھڑی ہو)۔

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست!

ترجمہ: جب ہمارا انتقال ہو جائے تو ہماری قبر زمین میں تلاش نہ کرو۔ ہمارا مزار تو اہل معرفت کے دلوں میں ہے۔

اسی مضمون کو سیماب اکبرآبادی نے اپنے اس شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے۔

میں بعدِ مرگ بھی بزمِ وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر مری محفل مرا مزار نہ پوچھ!

والسلام۔ خاکسار

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (15)

ایران (قسط سوم)

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

رضا شاہ پہلوی سے ایران کے دورِ جدید کا آغاز ہوتا ہے۔ اُن کا عہد حکومت 1925ء تا 1941ء ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب ترکی میں کمال اتاترک نے خلافتِ عثمانیہ ختم کر کے جمہوریت کا نام نہاد نظام قائم کیا تھا' لیکن رضا شاہ ایران کو نام کا جمہوری نظام بھی نہ دے سکے۔ انہوں نے بادشاہت قائم رکھی۔ اگرچہ یہ بادشاہت آئینی تھی اور آئین کے تحت بادشاہ کے اختیارات اب عہد قاچاری کی طرح لامحدود نہیں تھے۔ لیکن آئین کے باوجود رضا شاہ نے فوج کے بل بوتے پر کمال اتاترک کی طرح آمرانہ حیثیت اختیار کر لی اور ملک میں اپنی مرضی کے مطابق اصلاحات نافذ کیں' جن کی بدولت ملک کو فائدے بھی پہنچے اور نقصان بھی۔ اہل ایران نے اپنے اس نئے طرز کے مطلق العنان بادشاہ کو ''رضا شاہ کبیر'' کہنا پسند کیا جو قاچاری حکمرانوں سے بالکل مختلف تھے اور اُن کو عیش و عشرت کے مقابلے میں ملک کا مفاد زیادہ عزیز تھا۔

رضا شاہ پہلوی نے سب سے پہلے بدامنی دُور کی' باغیوں کی سرکوبی کی اور پورے ایران میں ایک مضبوط و مستحکم مرکزی حکومت قائم کر دی۔ امن و امان قائم ہونے کے بعد رضا شاہ نے ترقیاتی کاموں کی طرف توجہ دی۔ انہی کے عہد میں شمالی صوبے گیلان میں پہلی مرتبہ چائے کی کاشت شروع ہوئی۔ اسی عہد میں ایران میں صنعت و حرفت کی داغ بیل پڑی۔ کپڑے اور شکر کے کارخانے قائم ہوئے۔ ملک کے دور دراز حصوں کو ملانے کے لئے پختہ سڑکیں بنائی گئیں اور ریل کی پٹڑی بچھانے کا کام شروع کیا گیا۔ خلیج فارس سے بحیرۂ خضر (Caspian Sea) تک 850 میل لمبی ریل کی پٹڑی بچھائی گئی جس سے ایران کے شمالی اور جنوبی حصے ایک دوسرے سے مل گئے اور ہفتوں کا سفر چند دنوں میں ہونے لگا۔ اسی عہد میں یہ کام کیا گیا کہ غیر ملکیوں کو ایران میں جو مراعات حاصل تھیں' اُن کو منسوخ کر دیا گیا۔ ان مراعات کی وجہ سے بیرونی ملکوں کو ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا بہانہ مل جاتا تھا۔

تعلیم کی طرف بھی خصوصی توجہ کی گئی۔ تہران میں پہلی یونیورسٹی قائم کی گئی اور ایرانی طلبہ کو انجینئرنگ' قانون' زراعت'طب' سائنس اور دوسرے جدید علوم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپی ممالک میں بھیجا گیا۔

رضا شاہ اگرچہ روشن خیال اور بیدار مغز بادشاہ تھا' لیکن کمال اتاترک کی طرح وہ بھی مغرب سے بہت مرعوب تھا اور اُس نے اصلاحات کرتے وقت بڑی حد تک کمال اتاترک کی تقلید کی۔ چنانچہ 1927ء میں ایران میں فرانس کا عدالتی قانون نافذ کیا گیا۔ 1928ء میں ایران کے روایتی لباس کی جگہ کوٹ پتلون پہننا لازمی قرار دیا گیا۔ ترکوں کی طرح ہیٹ کو تو رواج نہیں دیا گیا' لیکن ہیٹ سے مشابہ ایک نئی طرز کی ٹوپی' جس کو ''پہلوی ٹوپی'' کہا جاتا تھا' لازمی قرار دی گئی۔ 1930ء سے ابتدائی اور ثانوی مدرسوں میں اسلامیات کی تعلیم لازمی نہیں رہی۔ 1935ء میں برقع ممنوع قرار دیا گیا۔ خواتین کے لئے مغربی لباس کی حوصلہ افزائی پہلے سے کی جارہی تھی' برقع ختم ہونے کے بعد جب ایرانی خواتین بے پردہ ہوئیں تو ان میں اور مغربی عورتوں میں کوئی فرق نہ رہا۔ 1935ء ہی میں ایک سرکاری ادبی مجلس قائم کی گئی تاکہ فارسی زبان کو عربی کے اثرات سے پاک کیا جائے۔

رضا شاہ نے اگرچہ اصلاح وترقی کے کام میں بڑی حد تک اتاترک کی تقلید کی' لیکن پھر بھی وہ کئی غلطیوں سے بچے رہے۔ اُس نے اتاترک کی طرح نہ تو مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا اور نہ فارسی زبان کا رسم الخط بدل کر لاطینی رسم الخط اختیار کیا' حالانکہ ملک میں اس قسم کا مطالبہ کرنے والے موجود تھے۔ ایران کا رسم الخط آج بھی عربی ہے اور سرکاری مذہب اسلام ہے۔ ایرانی پارلیمنٹ کو کوئی ایسا قانون منظور کرنے کا اختیار نہیں جو اسلام کے خلاف ہو۔ چنانچہ قانون کی منظوری کے لئے علمائے دین کا مشورہ ضروری ہے۔

رضا شاہ پہلوی کے دور کے اواخر میں یورپ میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی اور اگرچہ اس موقع پر ایران نے غیر جانب دار رہنے کا اعلان کر دیا تھا' لیکن اتحادی ملکوں نے ایران کی اس غیر جانبداری کا احترام نہیں کیا۔ جرمنوں کے مقابلے میں روس کو فوجی سامان فراہم کرنے اور امداد روانہ کرنے کے لئے ایران سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ 25 اگست 1941ء کو شمال سے روس نے اور جنوب سے برطانیہ نے بیک وقت ایران پر حملہ کر دیا۔ ایران اتنی بڑی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا' اس لئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور 16 ستمبر کو رضا شاہ کو اپنے بیٹے محمد رضا کے حق میں تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اس کے بعد رضا شاہ جنوبی افریقہ چلے گئے' جہاں 26 جولائی 1944ء کو فوت ہوئے۔

محمد رضا پہلوی (1941ء۔1979ء)

محمد رضا بائیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ وہ 26 اکتوبر 1919ء کو تہران میں پیدا

ہوئے۔ 1939ء میں مصری شہزادی فوزیہ سے شادی ہوئی جو شاہ فاروق کی بہن تھی، لیکن 1948ء میں اس نے طلاق لے لی۔ 1951ء میں محمد رضا نے ایک ایرانی امیر کی لڑکی ثریا اسفند یاری سے شادی کی، لیکن اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے 1958ء میں اُس کو طلاق دے دی۔ 21 دسمبر 1959ء کو ایک دوسرے امیر کی لڑکی فرح دیبا سے شادی کی، جس کے بطن سے 1960ء میں ولی عہد شہزادہ رضا پیدا ہوئے اور بعد ازاں اور بھی لڑکے پیدا ہوئے۔

نوجوان بادشاہ کی حکومت کا آغاز بڑے نازک حالات میں ہوا۔ ملک پر چار سال تک روسی اور برطانوی فوجیں قابض رہیں۔ حکومت ایران روس اور برطانیہ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اہم قدم نہیں اٹھا سکتی تھی، لیکن یہ تسلّط عارضی نوعیت کا تھا۔ چنانچہ جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تو 2/مارچ 1946ء کو اُس معاہدے کی مدت ختم ہوگئی جس کے تحت غیر ملکی فوجیں ایران میں داخل ہوئی تھیں۔ مدت ختم ہو جانے کے بعد برطانیہ اور امریکہ کی فوجوں نے ایران خالی کر دیا، لیکن روس کی فوجوں نے ایسا نہیں کیا۔ روس ایران پر مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا کہ اس کو شمالی ایران میں تیل نکالنے کی مراعات دی جائیں۔ آخر ایران کو روس کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا، جس کے بعد مئی 1946ء میں روسی فوجوں نے بھی ایران خالی کر دیا۔

روسی تسلّط کے زمانے میں ایران کے کمیونسٹ عناصر نے آذربائیجان کو ایران سے الگ کرنے کی کوشش کی۔ آذربائیجان کی آبادی کی اکثریت ترکی نسل کے باشندوں پر مشتمل ہے، جن کی زبان بھی آذری ترکی ہے۔ نسل پرستی اور قوم پرستی کے نئے اشتراکی خیالات کے تحت اُن میں آزادی کی خواہش پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔ روسی آذربائیجان اور ایرانی آذربائیجان میں ایسے لوگ موجود تھے جو دونوں آذربائیجانوں پر مشتمل ایک آزاد ترک ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ روس اپنے علاقے کے آذربائیجان کو تو آزاد نہیں کر سکتا تھا، لیکن اس نے آذربائیجان کے کمیونسٹ عناصر کی مدد سے ایرانی آذربائیجان کو ایران سے الگ کرنے کی پوری کوشش کی۔ چنانچہ کمیونسٹوں نے، جو آذربائیجان ڈیموکریٹک پارٹی کے تحت کام کر رہے تھے، دسمبر 1945ء میں آذربائیجان میں روسی امداد سے اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی۔ جب ایرانی فوجیں اس بغاوت کو کچلنے کے لئے روانہ کی گئیں تو روسی فوجوں نے ان کو آذربائیجان کی سرحد پر روک لیا، لیکن روسی فوجوں کی ایران سے واپسی کے بعد دسمبر 1946ء میں ایرانی فوجیں آذربائیجان میں داخل ہو گئیں، اور انہوں نے کمیونسٹوں کی بغاوت کا خاتمہ کر دیا۔

چونکہ ایران کو روس کے طرزِ عمل سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا، اس لئے ایران کو امریکہ کی طرف امداد کے لئے جھکنا پڑا، اور 6/اکتوبر 1947ء کو ایران اور امریکہ نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے،

جس کے تحت امریکہ نے ایران کو فوجی امداد دینا شروع کر دی۔ نومبر 1955ء میں ایران ''بغداد پیکٹ'' کا رکن بن گیا' جس میں عراق اور پاکستان بھی شامل تھے۔

محمد رضا پہلوی کا ابتدائی عہدِ حکومت داخلی سیاست کے لحاظ سے بھی پُر امن رہا۔ اس عہد میں شاہی اختیارات میں مزید کمی آئی اور ملک میں جمہوری سرگرمیاں زیادہ آزادانہ ماحول میں پنپنے لگیں۔ ''رضا شاہ کبیر'' کے عہد میں سیاسی جماعتوں پر پابندی تھی' اب یہ پابندی ختم کر دی گئی اور ایران میں کئی سیاسی جماعتیں وجود میں آ گئیں۔ ان میں ایک کمیونسٹ پارٹی تھی' جس کا نام ایران میں ''تودہ پارٹی'' یعنی عوامی پارٹی تھا۔ اس جماعت کے ایک کارکن نے 1949ء میں بادشاہ پر قاتلانہ حملہ کیا' جس کے بعد تودہ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی۔

تیل قومی ملکیت میں لے لیا گیا

ایران دنیائے اسلام کا پہلا ملک ہے' جہاں پہلی مرتبہ تجارتی پیمانے پر تیل نکلنا شروع ہوا۔ تیل کے یہ ذخائر سب سے پہلے مسجد سلیمان میں' ایک برطانوی کمپنی نے' جس کو قاچار دور میں تیل کی تلاش کا ٹھیکہ دیا گیا تھا' 1908ء میں دریافت کئے تھے۔ 1910ء میں حکومت ایران نے کمپنی کو تیل نکالنے کے لئے مراعات دیں۔ 1912ء تک مسجد سلیمان سے خلیج فارس کے دہانے پر واقع آبادان کی بندرگاہ تک پائپ لائن بچھانے کا کام مکمل ہو گیا اور پٹرول برآمد ہونا شروع ہو گیا۔ پٹرول کی مراعات چونکہ ایران کے لئے مفید نہیں تھیں' اس لئے رضا شاہ کبیر نے یہ مراعات منسوخ کر کے کمپنی سے 29 مئی 1933ء کو نیا معاہدہ کیا۔ تیل کی برآمد سے کمپنی اور ایران دونوں کو بہت فائدہ ہوا۔ ایران میں سرمائے کی کمی دور ہو گئی اور ملک میں خوشحالی آ گئی' لیکن کمپنی کو چونکہ اب بھی ایران کے مقابلے میں زیادہ فائدہ ہو رہا تھا' اس لئے ایرانی باشندے کمپنی سے ایک نیا معاہدہ کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے' تاکہ بڑھتے ہوئے منافع میں ایران کو بھی شریک کیا جائے۔ کمپنی اور ایران کی یہ کشمکش اتنی بڑھی کہ ایران کے ایک ممتاز قانون دان اور رکن پارلیمنٹ ڈاکٹر محمد مصدق (1879ء-1967ء) نے' جو قومی محاذ پارٹی کے قائد بھی تھے' تیل کو قومی ملکیت میں لینے کا باقاعدہ مطالبہ کر دیا۔ اس مطالبے کے ساتھ ہی ملک میں ہنگامے شروع ہو گئے' جن کے دوران وزیراعظم جنرل رزم آرا کو 7/مارچ 1951ء کو قتل کر دیا گیا' کیونکہ وہ تیل کو قومی ملکیت میں لینے کے خلاف تھے۔ ہنگامہ آرائی' فسادات اور توڑ پھوڑ کے دور میں 29/اپریل 1951ء کو ڈاکٹر محمد مصدق وزیراعظم ہو گئے۔ دریں اثنا قومی پارلیمنٹ نے ایک بل کے ذریعے اتفاق رائے سے تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں لے لیا۔

ایران میں ہنگامہ آرائی اور توڑ پھوڑ کی تحریک میں کمیونسٹ اور فدائیانِ اسلام' جو ایک انتہا پسند مذہبی گروہ تھا' پیش پیش تھے۔ ان دونوں کی وجہ سے ڈاکٹر مصدق ہنگاموں پر قابو نہ پا سکے۔ علاوہ

ازیں اِس دوران میں ایک اور سیاسی اور عوامی تحریک زور پکڑ گئی' اور وہ یہ کہ بادشاہت ختم کر کے ایران کو ایک جمہوری ملک قرار دیا جائے۔ یہ کوئی نئی تحریک نہیں تھی۔ جب شاہ قاچار آئینی بادشاہت قائم کرنے پر مجبور ہوا تھا' یہ تحریک اُسی وقت شروع ہو گئی تھی۔ اگر رضا شاہ کبیر قاچاری حکومت کا خاتمہ کر کے خود بادشاہ نہ بن جاتا' تو ایران بہت پہلے ایک جمہوریہ بن چکا ہوتا۔ ایرانی عوام کو ایک شکایت یہ بھی تھی کہ آئین کے تحت علماء کو فیصلہ کن اختیارات میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر مصدق نے 10 راگست 1953ء کو استصواب (ریفرنڈم) کے ذریعے بادشاہت کو ختم کرنا چاہا لیکن شاہ ایران نے اس پر جوابی کارروائی کی اور ڈاکٹر مصدق کو برطرف کر کے جنرل زاہدی کو وزیراعظم مقرر کر دیا۔ اس کے باوجود ایران میں حالات بادشاہ کے خلاف اتنے ناسازگار ہو چکے تھے کہ اسے ملک سے فرار ہونا پڑا۔ دریں اثنا بادشاہت کے مسئلے پر فدائیانِ اسلام اور ڈاکٹر مصدق میں اختلافات پیدا ہو گئے' جس سے فائدہ اٹھا کر جنرل زاہدی نے ڈاکٹر مصدق کے حامیوں کو کچل دیا' اور 19 راگست کو ڈاکٹر مصدق کو گرفتار کر لیا گیا۔ ڈاکٹر مصدق پر غداری اور بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور سزائے قید سنائی گئی۔ ڈاکٹر مصدق 5 مارچ 1967ء کو فوت ہو گئے۔

جنرل زاہدی کی کامیابی کے بعد شاہ ایران واپس آ گئے۔ اگلے سال برطانوی تیل کمپنی سے حکومت ایران کا تصفیہ ہو گیا' جس کے تحت تیل ایران کی قومی ملکیت میں رہا' لیکن اُس کی برآمد اور تقسیم کا ٹھیکہ ایک بین الاقوامی کنسورشیم کو دے دیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت تیل کی فروخت سے ہونے والے منافع میں ایران کا حصہ پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ برطانیہ نے تیل کی خریداری کا جو بائیکاٹ کر دیا تھا' وہ ختم ہو گیا۔ تیل کی پیداوار اور آمدنی بڑھنے سے ایران میں خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

انقلابِ سفید

تیل کی ملکیت کا مسئلہ حل ہو جانے کے بعد شاہ ایران نے ملک کو ترقی دینے کے لئے اور عوام کی بے چینی دور کرنے کے لئے کئی اہم اقدامات کئے' جن کا مجموعی نام ''انقلابِ سفید'' رکھا گیا۔ ان میں سب سے اہم قدم بے زمین کسانوں میں سرکاری زمینوں کی تقسیم کا منصوبہ تھا۔ اس کام کا آغاز اگرچہ 1951ء میں شاہی زمینوں کی تقسیم سے کیا جا چکا تھا' لیکن 1962ء میں اس کو مزید وسعت دی گئی اور دوسرے زمینداروں اور جاگیرداروں کی زمینوں کو بھی کسانوں کے ہاتھ آسان قسطوں میں فروخت کرنے کا پروگرام شروع کیا گیا' اور 1968ء تک چھ لاکھ سے زیادہ کسان خاندان اس پروگرام کے تحت زمینوں کے مالک بن گئے۔

حکومتِ ایران نے اس دوران میں فلاح و بہبود کے دوسرے منصوبوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

1963ء میں ''سپاہِ دانش'' کے نام سے تعلیم عام کرنے کے لئے' اور 1964ء میں ''سپاہِ بہداشت'' کے نام سے حفظانِ صحت کا نظام بہتر بنانے کے لئے تنظیمیں قائم کی گئیں۔ ان تنظیموں کے تحت تعلیم اور حفظانِ صحت کے میدان میں مفید نتائج برآمد ہوئے۔ 7 رجنوری 1963ء کو ایرانی خواتین کو پہلی مرتبہ قومی مجلس کے انتخابات میں رائے دینے کا حق ملا۔ شاہ ایران کے ان کارناموں کی وجہ سے 1965ء میں ایرانی پارلیمنٹ نے ان کی خواہش پر' شاہ کو ''آریہ مہر'' کا خطاب دیا۔ گویا وہ آریہ نسل کے آفتاب تھے۔

''انقلابِ سفید'' کے تحت کی جانے والی یہ اصلاحات مفید ہونے کے باوجود کئی وجوہ سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہ کرسکیں۔ اوّل یہ کہ زمینوں کی تقسیم کا کام بہت سست رفتاری سے انجام دیا گیا اور ملک کی بہت کم زرعی آبادی اس سے فائدہ اٹھاسکی' جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں نے بھی حکومت سے پورا تعاون نہیں کیا۔ دوم' شہروں میں جو نئی صنعتیں قائم کی گئی تھیں' اُن میں مزدوروں کے مفادات وحقوق کا تحفظ نہیں کیا گیا' جس کی وجہ سے نہ کسان پوری طرح مطمئن ہو سکے اور نہ مزدور۔ تیل سے جو لامحدود دولت حاصل ہوئی' اس سے زیادہ تر بالائی طبقے نے فائدہ اٹھایا' یا وہ ایران کی عسکری صلاحیت بڑھانے پر صرف ہوئی' جس پر شاہ نے ضرورت سے زیادہ توجہ دی' کیونکہ وہ ایران کو دنیا کی عظیم ترین فوجی طاقت بنا دینا چاہتے تھے۔ اسلحے کی خریداری پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا' اور ہتھیاروں کا اتنا ذخیرہ جمع کیا گیا جو کسی کام نہیں آسکتا تھا۔ ان غلط کاموں کی وجہ سے ملک میں گرانی میں بے انتہا اضافہ ہوگیا جو عام آدمی اور متوسط طبقے کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا۔ پھر سب سے اہم بات یہ کہ اعلیٰ طبقے کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ ایران میں وہ تمام اخلاقی خرابیاں عام ہوگئیں جو مغربیت کے اثر اور دولت کی فراوانی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔ معاشرے میں اسلامی اقدار کو فروغ دینے کی بجائے مغربی تہذیب اور مادہ پرستی کو کھل کر فروغ دیا گیا' اور جب علماء نے مخالفت کی تو اُن کے خلاف سخت کارروائی کی گئی۔ 1963ء میں امام خمینی کو' جو بعد میں اسلامی انقلاب کے قائد کی حیثیت سے ابھرے' ایران سے جلاوطن کردیا گیا۔

شاہ کا جبر واستبداد

شاہ ایران نے عوامی بے چینی کے اسباب معلوم کرنے اور ان کو دور کرنے کی بجائے آمرانہ طریقے اختیار کئے اور مخالف عناصر کو تشدد کے ذریعے دبانے کی کوشش کی۔ ملک میں سیاسی قیدیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی' جن کو ''ساوک'' نامی خفیہ پولیس کے ادارے کے ذریعے تشدد اور ایذا رسانی کا نشانہ بنایا جاتا تھا یا قتل کرا دیا جاتا تھا۔ اس تشدد کی وجہ سے نوجوان ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد امریکہ اور یورپ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی۔ 1971ء میں شاہ ایران نے ایران میں قیامِ

شہنشاہیت کی ڈھائی ہزار سالہ سالگرہ منائی۔ ایک ایسے دور میں جو سلطانی جمہور کا دور ہے' یہ جشن بے وقت کی راگنی تھا اور اس کی جرأت ایک ایسا حکمران ہی کر سکتا تھا جس کو عوام کی خواہشات اور زمانے کے حالات کی پروانہ ہو۔ شاہ نے اپنے آمرانہ اختیارات کو مزید مضبوط کرنے کے لئے مارچ 1975ء میں ملک میں تمام سیاسی جماعتیں ختم کر دیں' اور صرف ایک سیاسی جماعت ''رُستاخیز'' قائم کی گئی' جس کے صدر سابق وزیر اعظم امیر عباس ہویدا تھے۔ (اسلامی انقلاب کے بعد قتل و غارت گری کے الزام میں انہیں 7 اپریل 1979ء کو گولی ماردی گئی)۔ اس اقدام کی وجہ سے مخالفین زیر زمین سرگرمیوں پر مجبور کر دیئے گئے۔ مخالفت جتنی بڑھتی تھی' حکومت اُتنا ہی زیادہ جبر وتشدد اختیار کرتی تھی۔ بین الاقوامی ادارے ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' کے سیکرٹری جنرل کے ایک بیان کے مطابق' جو 1975ء میں جاری کیا گیا تھا: ''دنیا کے کسی ملک کا انسانی حقوق کا ریکارڈ اتنا خراب نہیں تھا' جتنا ایران کا تھا''۔

یہودیوں کی بین الاقوامی خفیہ تنظیم ''فری میسن'' کو اس دور میں ایران میں خوب عروج ملا۔ شاہ ایران سمیت ایران کی تمام اہم شخصیتیں فری میسن تحریک سے تعلق رکھتی تھیں۔ امیر عباس ہویدا جو 1965ء سے 1975ء تک مسلسل دس برس ایران کے وزیر اعظم رہے تھے' فری میسن کے گرینڈ ماسٹر کے منصب پر فائز تھے۔ ایک سابق وزیر خارجہ خلعت بری بھی فری میسن تھے' اُن کو بھی اسلامی انقلاب کے بعد امیر عباس ہویدا کی طرح سزائے موت دی گئی۔ شاہ کے خلاف تحریکِ انقلاب کے دوران میں وزارتِ عظمیٰ کی کرسی سنبھالنے والے جعفر شریف امامی کے گھر سے جو خفیہ دستاویزات برآمد ہوئیں' اُن سے پتا چلا کہ ایران میں ''فری میسن'' کی تنظیم ایشیا کی سب سے بڑی اور سب سے فعال تنظیم تھی۔ شاہ ایران خود اس کے رکن تھے اور ان کی تقلید میں ممتاز سیاسی اور سرکاری درباری شخصیتیں ہی نہیں' بلکہ شاہ کے کاسہ لیس علماء بھی فری میسن میں شامل تھے۔ چنانچہ تہران کے امام جمعہ حسن امامی فری میسن اور گرینڈ ماسٹر تھے۔ اصفہان کے لاج سے جو فہرست دستیاب ہوئی' اس سے معلوم ہوا کہ اصفہان کا ہر قابل ذکر فرد فری میسن تھا۔

مختصر یہ کہ سیاسی گھٹن' آزادی کے فقدان' جاسوسی نظام کی ہیبت' معاشی نظام کی بے اعتدالی' مغربی تہذیب و افکار کے سیلاب' فری میسوں اور اقلیتی گروہوں (بہائی' مسیحی اور یہودیوں) کی اجارہ داریوں' اور علماء اور دینی مدارس پر جبرواستبداد کی وجہ سے اندر ہی اندر جولاوا پک رہا تھا' وہ 1978ء کے اوائل میں اچانک پھٹ پڑا' اور پہلوی خاندان کے فلک بوس محلوں کے باسیوں نے ایرانیوں کی زباں بندی کر کے دنیا کو ایران کی خوشحالی اور ترقی کی جو تصویر دکھائی تھی' وہ مصنوعی اور جھوٹی ثابت ہوئی۔

ایرانی بادشاہت کا خاتمہ

ایران میں دورِ صفوی سے علماء کا گہرا اثر رہا ہے۔ علماء نے سب سے پہلے ناصرالدین قاچار کے دور میں اپنی قوت کا مظاہرہ کیا تھا جب مرزا محمد شیرازی نے تمباکو فروشی کے خلاف فتویٰ دیا تھا' جس کے بعد بادشاہ نے روسی کمپنی کا ٹھیکہ منسوخ کر دیا۔ علماء کی قوت کا دوسرا مظاہرہ مظفرالدین شاہ قاچار کے زمانے میں ہوا' جب علماء نے بادشاہ کی مطلق العنانی کے خلاف دستور پسندوں کی تائید کی اور اس کے نتیجے میں 1906ء میں ایران کا پہلا آئین بنا اور قومی مجلس (اسمبلی) وجود میں آئی۔ پانچ علماء کو مجلس کا مستقل رکن مقرر کیا گیا اور ان کو یہ حق دیا گیا کہ وہ کوئی ایسا قانون منظور نہ ہونے دیں جو شریعت اسلامی کے خلاف ہو۔ رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں بھی 1936ء میں پردہ ممنوع قرار دینے اور نکاح وطلاق کے اسلامی قوانین میں تبدیلی کرنے کے خلاف علماء نے مظاہرے کئے' لیکن علماء کو کچل دیا گیا۔ اسی طرح ڈاکٹر مصدق کے عہد میں تیل کو قومی ملکیت میں لینے کے سلسلے میں علماء نے قوم پرستوں کی پرزور حمایت کی۔ علماء کی اس روایت کے پیشِ نظر جب ایران کے آخری بادشاہ محمد رضا نے مغربیت پر چلنے کی کوشش کی تو انہوں نے علماء کا وہ حقِ استرداد بھی ختم کر دیا جو اُن کو 1906ء کے آئین کے تحت ملا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد علماء کی طرف سے 1963ء میں پھر احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا' جو وقفے وقفے سے جاری رہا اور ایک زبردست تحریک کی شکل اختیار کر گیا' اور ایران میں یہ عوامی مطالبہ مقبول ہو گیا کہ علماء کا حقِ استرداد بحال کیا جائے' خلافِ شریعت قوانین منسوخ کئے جائیں' سن ہجری کی تقویم بحال کی جائے' مخلوط تعلیم کا خاتمہ کیا جائے' حجاب اور نقاب کے خلاف قانون منسوخ کیا جائے اور تحریر وتقریر کی آزادی دی جائے۔ بالآخر رفتہ رفتہ یہ تحریک شاہِ ایران کی معزولی اور بادشاہت کے خاتمے کی تحریک بن گئی۔

1978ء کے اوائل سے ایران میں بادشاہت کے خلاف جو زبردست تحریک شروع ہوئی' اُس میں عہد حاضر کے ہر مسلم ملک کی طرح ایران میں بھی دو قوتیں سرگرم عمل تھیں۔ ایک دینی عناصر اور دوسرے اشتراکیت اور سیکولرازم کے علمبردار۔ خوش قسمتی سے ایران میں شیعی نظام کی مخصوص ساخت کی وجہ سے' جس میں علماء اور مجتہدین کو خصوصی مقام حاصل ہے' اور اُن کا عوام پر غیر معمولی اثر ہے' انقلابی تحریک کی قیادت اشتراکی عناصر کی بجائے دینی عناصر کے ہاتھ میں آ گئی۔ چنانچہ 1978ء میں ایران میں جو ہنگامے ہوئے' ان کا مرکز ماسکو نہیں تھا' بلکہ قُم تھا جو ایران کا سب سے بڑا دینی مرکز تھا۔ یہ ہنگامے دبی ہوئی چنگاری تھے۔ پھر اس کے بعد جو ہنگامے شروع ہوئے' وہ دبے نہیں' بلکہ ان کا ایک طویل' ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اگست 1978ء تک پورا ملک ان ہنگاموں کی لپیٹ میں آ گیا۔ ہنگامے اور احتجاجی مظاہرے اتنے شدید تھے کہ 26 / اگست کو وزیر اعظم جمشید آموزگار کو

مستعفی ہونا پڑا' جواسی ماہ وزیراعظم مقرر ہوئے تھے۔ان کی جگہ شریف امامی کووزیراعظم مقرر کیا گیا' لیکن وہ بھی بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو نہ پا سکے۔شاہ پور بختیار ایرانی شہنشاہیت کے آخری وزیراعظم تھے جن کوشاہ ایران نے نامزد کیا تھا۔جب وہ بھی شدید ہنگاموں پر قابو نہ پا سکے اور فوج بھی بے بس ہوگئی تو شاہ ایران کوملک چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا اور وہ 16 جنوری 1979ء کوایران چھوڑ کر مصر چلے گئے' اور وہاں سے میکسیکو چلے گئے اور پھر پانامہ۔

یکم فروری 1979ء کوآیت اللہ خمینی جواسلامی انقلاب کے حقیقی رہنما تھے' پیرس سے تہران پہنچ گئے۔مشہور کتاب ''آوازِ دوست'' کے مشہور مصنف مختار مسعود صاحب نے شاہ ایران کے خلاف احتجاجی تحریک اور آیت اللہ خمینی کی آمد کے بعد اسلامی انقلاب کے آغاز کا احوال انتہائی دلچسپ اور اپنے مخصوص اسلوب میں اپنی تصنیف ''لوحِ ایام'' میں تفصیل اور تصریح کے ساتھ رقم کیا ہے۔اس کتاب کے ایک باب ''آمدنامہ'' میں یکم فروری کا احوال یوں بیان کرتے ہیں:

''چودہ پندرہ دن پہلے جو شخص بے بسی اور نامقبولی کے عالم میں تخت اور ملک چھوڑ کر چلا گیا' اس نے کوئی چودہ پندرہ سال پہلے بادشاہِ وقت کی حیثیت سے ایک شخص کوجلاوطنی کی سزا سنائی تھی۔سزایافتہ کی سزا بالآخر ختم ہوئی' وہ آج واپس آنے والا ہے۔سزا دینے والے کی جلاوطنی اب جا کر شروع ہوئی ہے اور عمر بھر کے لئے ہے۔جانے والا شہنشاہ ہے اور آنے والا درویش۔ایک جلالت مآب اور دوسرا صاحب جلال۔جانے والے کولوگ بے ایمان' ظالم اور گنہگار' اس کے خاندان کوفساد کی جڑ' اس کے ساتھیوں کوشیطان کا ٹولا اور اس کی حکومت کو رژیم ابلیسی لکھتے ہیں۔اخبار' رسالے' کتابیں' پمفلٹ' پوسٹر اس طرح کے القابات سے بھرے پڑے ہیں۔اور جب اس شخص کے بارے میں کچھ کہنا ہوتو پہلے پانچ دس لاکھ افراد جمع ہوکر ایک جلوس نکالتے ہیں' پھر مل کر نعرہ لگاتے ہیں: مرگ بر شاہ۔آنے والے کولوگ رہبرِ بزرگ' قائداعظم' بت شکن' آیت اللہ' آیت اللہ العظمٰی' نائب امام' امام اور فرشتہ لکھتے ہیں۔اور جب اس کے بارے میں کچھ کہنا ہوتو پہلے دس پندرہ لاکھ افراد جمع ہوکر ایک جلوس نکالتے ہیں' پھر مؤدب ہوکر کہتے ہیں: درود بر خمینی۔

جلاوطن آیت اللہ وطن واپس آ رہے ہیں۔ایک سال سے ذرا کم ترکی میں رہے۔تیرہ سال عراق میں گزارے' چار ماہ فرانس میں۔جلاوطنی کی کل مدت چودہ سال تین ماہ بنتی ہے۔اتنا عرصہ نظروں سے اوجھل رہنے والے کولوگ بھول جاتے ہیں۔مگر یہاں معاملہ الٹ ہے۔جلاوطنی کے باوجود وہ شخص لوگوں کے دل میں بسا رہا اور آج ہر ایک اُس کے لئے چشم براہ ہے۔سوال یہ ہے کہ مہرآباد کے ہوائی اڈے سے ''بہشت زہرا'' کے قبرستان تک کتنے لوگ اسے لینے اور دیکھنے کے لئے آئیں گے۔ایک ملین' دو ملین یا اس سے بھی زیادہ۔اس ہجوم میں دو پاکستانی بھی ہوں گے۔میں اور پندرہ سولہ سالہ سلمان مسعود''۔

''آمدنامہ'' کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

''ادھر لوگ ملک چھوڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں' ادھر کوئی ملک واپس آ رہا ہے' اس کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ''کمیتہ استقبال از امام'' نے سارے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ پچاس ہزار افراد امام کی حفاظت کے لئے مامور ہوں گے۔ رضا کار بازو بند باندھے ہوں گے جن پر لکھا ہوگا ''انتظامات''۔ لوگوں کو مشورہ دیا جا رہا ہے کہ راستے کو صاف رکھیں اور صدقہ کے گوسفند' گاؤ اور شتر سڑک کے کنارے ذبح نہ کریں۔ جو لوگ استقبال کے لئے دور سے آئیں انہیں چاہئے کہ تھوڑی سی خوراک اور ایک دستی ریڈیو ہمراہ لائیں۔ ہوائی اڈے سے مہمان سیدھا بہشت زہرا جائیں گے' وہاں قبرستان میں تقریر کریں گے۔ اس کے بعد وہ مرکز شہر میں واقعہ مدرسہ رفاہ میں قیام کریں گے۔ مدرسہ کی عمارت کی مرمت شروع ہے۔ اخباری خبر ہے کہ ایک منزل پر دو ملین ریال کے قالین بچھائے گئے ہیں جو بازار نے رضا کارانہ فراہم کئے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس مدرسہ کے باورچی خانہ میں روزانہ ایک ہزار مرغ' تیس بکرے اور چار سو بیس کیلو چاول پکائے جائیں گے۔ لوگوں کو یقین ہے کہ جس روز آیت اللہ واپس ایران پہنچیں گے اس روز ذبح ہونے والے ایک ہزار مرغ میں وہ ایک مرغ بھی شامل ہوگا جسے مرغ طوفان کہتے ہیں''۔

بہشت زہرا کے قبرستان پہنچ کر امام خمینی نے لاکھوں کے عظیم الشان جلوس سے تاریخ ساز خطاب کیا' جس کا خلاصہ جناب مختار مسعود نے یوں بیان کیا ہے:

''غور سے سنئے! آیت اللہ نے پندرہ سال پہلے جن واقعات کی بنا پر انہیں جلاوطن کیا گیا تھا انہیں یاد کیا۔ جلاوطنی کے مصائب کا ذکر کیا۔ پھر فقید المثال استقبال پر قوم کا شکریہ ادا کیا۔ اس استقبال کو رفرندم کا درجہ دیا۔ اپنی حکومت بنانے کا اعلان کیا۔ فوج کا نیا سربراہ نامزد کیا۔ پچاس برس سے زائد عمر کے تمام سول اور فوجی افسروں کو ملازمت سے فارغ کر دیا۔ ساواک کو توڑنے اور اس کے سربراہوں کو چوک شاہ یاد میں پھانسی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ شاہ اور اس کے حواریوں کو ڈاکو اور لٹیرا کہا۔ لوٹی ہوئی قومی دولت کو ڈاکوؤں اور لٹیروں کے پیٹ چاک کر کے وہاں سے بھی نکال لینے کے عزم کا اظہار کیا۔ تمام محلات اور پہلوی خاندان کی جائیداد قومی تحویل میں لینے کا اعلان کیا۔ شاہ کو معزول کیا اور اس پر مقدمہ چلانے کے لئے ٹریبونل قائم کیا۔ خارجہ پالیسی پر بڑا پُر جوش بیان دیا۔ ایرانی تیل اور گیس کی دولت لوٹنے والوں سے حساب لینے اور پرانے معاہدے توڑنے کا اعلان کیا۔ ایک سپر پاور کا طفیلی ملک ہونے کی حیثیت ختم کی اور ایران کو غیر وابستہ ملک قرار دیا۔ ایران میں اسلامی امامت قائم کرنے کا اعلان کیا۔ ولایت فقیہہ کے خدوخال بیان کئے اور آخر میں انقلاب کے دوران شہید' بیوہ' یتیم اور اپاہج ہونے والوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ قبروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت پڑھی کہ شہید زندہ ہیں۔ لوگ قبروں کی طرف دیکھ کر بہت روئے۔ ان

کی آہ و بکا میں بیلی کا پٹر کا شور شامل ہو گیا۔ آیت اللہ وہاں سے مدرسہ رفاہ چلے گئے۔

آیت اللہ کی تقریر جذبات' شعریت اور خیال بندی سے خالی تھی۔ جوش' ہیجان' آگ اور دھوئیں سے عاری تھی۔ نہ کوئی فخریہ بات جو ایسے موقع پر بے اختیار منہ سے نکل جاتی ہے' نہ فتح مندی کا نشہ جو کامیابی کے بعد بن بتائے چڑھ جاتا ہے۔ ساری تقریر استدلالی اور منطقی تھی۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ بادشاہت ایک ایسا نظام ہے جو غیر قانونی' غیر عقلی اور حقوق انسانی کے تقاضوں کے خلاف ہوتا ہے۔ اصول یہ بیان کیا کہ لوگوں کی تقدیر ان کے اپنے ہاتھوں میں ہوتی ہے' انہیں یہ فیصلہ کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ ان کا حکمران کون ہوگا۔ دلیل یہ دی کہ اگر ساری قوم نے ووٹ دے کر آقای محمد خاں قاچار کو بادشاہ بنا دیا ہوتا تو چونکہ یہ معاملہ محمد خاں قاچار اور ووٹ دینے والوں کے درمیان طے ہوا تھا لہٰذا وہ فریقین تک محدود رہتا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ جب ہماری نسل کی باری آئے تو ہماری مرضی معلوم کئے بغیر احمد شاہ قاچار ہمارا حکمران بن جائے۔ سوڈیڑھ سو سال پہلے لوگ اپنی تقدیر اور اپنی حکومت کا فیصلہ تو کر سکتے تھے لیکن ہماری تقدیر اور ہماری حکومت کا فیصلہ کرنے اور ہم پر ایک خاندان کی بادشاہت ٹھونسنے کا حق انہیں ہرگز حاصل نہ تھا۔

آیت اللہ نے یہ دلیل دینے کے بعد کہا کہ محمد رضا شاہ کی حکومت بہرعنوان غیر قانونی ہے۔ اس نے ایران کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا زور تین باتوں پر تھا۔ معیشت کی تباہی' اخلاق کی تباہی اور غیر ملکیوں کی غلامانہ فرمانبرداری۔ اخلاق کی تباہی کے سلسلہ میں انہوں نے یہ مثال دی کہ تہران میں میخانوں کی تعداد کتب خانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ صورت حال کے اس منطقی جائزہ میں صرف دو جملے شروع میں اور ایک جملہ آخر میں نظام بادشاہت سے ہٹ کر کہا۔ آغاز میں کہا کہ ملت نے قتل' ظلم اور غارت کی صورت میں جو مصیبت برداشت کی ہے اس کی میں کہاں سے تلافی کر سکتا ہوں۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ دے گا۔ آخر میں کہا: اسلام تمہارے لئے کفر سے بہتر ہے۔ اپنے اپنے ہوتے ہیں اور غیر غیر ہوتے ہیں''۔

علامہ آیت اللہ خمینی پیرس سے جلاوطنی کی زندگی ختم کر کے فاتحانہ شان سے ایران آتے ہیں۔ ہزاروں سال پرانی بادشاہت کے آخری وزیراعظم مہدی بازرگان کو کام جاری رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ریفرنڈم کرایا جاتا ہے۔ 98 فی صد ووٹ ''اسلامی جمہوریہ'' کے حق میں پڑتے ہیں۔ مجاہدین امریکی سفارت خانے کے عملے کو یرغمالی بنا لیتے ہیں اور شرط عائد کرتے ہیں کہ جب تک شاہ ایران کو امریکہ مقدمہ چلانے کے لئے واپس ایران نہیں بھیجے گا' اس وقت تک یرغمالیوں کو رہا نہیں کیا جائے گا۔ امریکہ ایران کا بارہ ارب ڈالر کا سرمایہ منجمد کر لیتا ہے۔

1980ء میں ابوالحسن بنی صدر کو ایران کا صدر مملکت منتخب کیا جاتا ہے۔ یہ عہدہ فقیہہ کے ماتحت رکھا جاتا ہے جو علامہ آیت اللہ خمینی تھے۔ امریکہ ایران کو جانے والی برآمدات پر پابندی عائد

کر دیتا ہے۔امریکہ زبردست کاروائی کر کے اپنے یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے فضائی حملہ کرتا ہے۔ اس مشن میں امریکہ ناکام رہتا ہے' آٹھ امریکی سپاہی ایران کے صحرا میں مار گرائے جاتے ہیں۔قومی مجلس کے انتخاب میں اسلامی جمہوریہ پارٹی جیت جاتی ہے۔محمد علی رجائی وزیر اعظم منتخب ہو جاتے ہیں۔53 یرغمالیوں میں سے ایک کو صحت کی بنیاد پر رہا کر دیا جاتا ہے۔محمد رضا پہلوی 27 جولائی کو مصر میں فوت ہو کر وہیں دفن ہوتا ہے۔22 ستمبر کو عراق امریکہ کی شہ پر ایران پر حملہ کرتا ہے۔

1981ء۔الجزائر کی ثالثی پر یرغمالیوں کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔امریکہ ایران کا منجمد سرمایہ واگزار کر دیتا ہے۔20 جنوری کو امریکہ کے بقیہ 52 یرغمالی بذریعہ ہوائی جہاز امریکہ پہنچ جاتے ہیں۔22 جنوری کو بنی صدر کو عہدۂ صدارت سے برطرف کیا جاتا ہے۔28 جون کو بنی صدر کے حامی لوگ آیت اللہ محمد بہشتی (سپیکر) اور 71 دوسرے ممتاز سیاسی رہنماؤں کو بم کے دھماکے سے ہلاک کر دیتے ہیں۔24 جولائی کو وزیر اعظم رجائی کو صدر منتخب کیا جاتا ہے۔30 اگست کو رجائی اور نئے وزیر اعظم باہنر کو بھی بم دھماکے سے ہلاک کیا جاتا ہے۔30 اکتوبر کو علی خامنہ ای صدر بنتے ہیں۔

1982ء۔عراق سے مسلسل دو سالہ جنگ کے بعد ایران' عراق پر زوردار جارحانہ حملہ کرتا ہے اور اپنی تیل کی بندرگاہ خرم شہر کو آزاد کرا لیتا ہے۔

20 اگست 1988ء کو عراق ایران کی دس سالہ جنگ ختم ہو جاتی ہے۔

1989ء۔جون میں آیت اللہ خمینی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ان کی جگہ آیت اللہ خامنہ ای اقتدار سنبھالتے ہیں۔

1991ء۔صدر ہاشمی رفسنجانی معیشت کی بحالی کے لئے اقدامات کرتے ہیں اور سیاسی امور و معاملات میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1997ء۔مئی کے صدارتی انتخابات میں سابقہ وزیر ثقافت اور اعتدال پسند رہنما ڈاکٹر سید محمد خاتمی صدر مملکت منتخب ہوتے ہیں۔معاشرتی' سیاسی اور مذہبی آزادیاں دینے پر ان کے اختلافات آیت اللہ خامنہ ای سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

1998ء۔تہران کے میئر غلام حسین کرباشی کو' جو صدر خاتمی کی اعتدال پسندانہ پالیسی کے زبردست حامی تھے' غبن کے الزام میں سزائے قید دی جاتی ہے۔

2000ء۔فروری میں ایران میں قومی انتخابات ہوئے' جس میں اعتدال پسند جماعت ''شرکت اسلامی فرنٹ'' نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔اس سیاسی جماعت کے قائد ایران کے صدر ڈاکٹر سید محمد خاتمی کے بھائی محمد رضا خاتمی ہیں۔صف اول کے رہنماؤں میں ایران کے رہبر اعلیٰ علی خامنہ ای کے بھائی ہادی خامنہ ای بھی شامل ہیں۔1979ء سے' جس سے کہ ایران میں

قدیم بادشاہت کے بعد اسلامی انقلاب آیا ہے' پہلی مرتبہ ایران کی سیاسی فکر میں تشدد کی بجائے' اصلاح واعتدال کی لہر آئی۔

2001ء۔ جون کے انتخابات میں صدر محمد خاتمی اپنی اصلاحات اور اعتدال پسندی کے باعث' 77 فی صد ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ لیکن ان کی 20 اعتدال پسندوں کی کابینہ آزاد خیال سیاسی رہنماؤں کی توقعات پر پوری نہ اتری' کیونکہ اصلاحات کا عمل رک گیا تھا' چنانچہ اصلاح پسندوں اور روایت پسندوں کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی جو 2002ء میں نقطہ عروج کو پہنچی اور ایران میں سیاسی عدم استحکام پیدا ہوگیا۔

امریکہ کے نائن الیون کے واقعے کے بعد ایران نے امریکہ کے ''عالمی دہشت گردی'' کے پروگرام میں امریکہ کے ساتھ تعاون کیا۔ ''القاعدہ'' کے مشکوک مجاہدین کو گرفتار کرنے اور انہیں امریکہ کے حوالے کرنے میں پوری کوشش کی۔ جنگ سے تباہ شدہ اپنے پڑوسی ملک افغانستان میں امن وامان بحال کرنے میں مدد دی۔ اس کے باوجود امریکہ کے صدر بش نے' جنوری 2002ء میں علی الاعلان ایران کو ''برائی کا محور'' قرار دیا' اور ایران نے اس کے دہشت گردی کے پروگرام میں جو تعاون کیا تھا' اسے درخورِ اعتناء نہ سمجھا۔ عراق پر جارحانہ حملے کے ساتھ ہی امریکہ نے ایران کو بھی اپنی آئندہ کی سیاسی وعسکری حکمت عملی کا نشانہ بناتے ہوئے ایران پر ایٹم بم بنانے کا الزام عائد کیا اور کہا کہ ایران در پردہ القاعدہ کے روپوش مجاہدین کو پناہ دیئے ہوئے ہے اور انہیں ہر طرح کی امداد دے رہا ہے۔ امریکی میڈیا نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ ایران اپنا ایٹم بم اسرائیل کے خلاف استعمال کرے گا' جو پاکستان کے سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی فنی مدد سے تیار کیا جا رہا ہے۔

جون 2003ء میں بین الاقوامی ایٹمی انرجی ایجنسی نے ایران پر اپنے ایٹمی پروگرام کو خفیہ رکھنے پر سخت تنقید کی اور معائنے کے لئے حکم دیا۔ ایران نے بار بار اعلان کیا کہ اس کا ایٹمی پروگرام پُرامن ہے اور صنعتی مقاصد کے لئے ہے۔ امریکہ نے اپنے مغربی حواریوں برطانیہ' فرانس اور جرمنی کو ترغیب دے کر ایران کے خلاف گھیرا تنگ کرلیا ہے۔ ایک عرصے تک عالمی میڈیا میں ''اب ایران کی باری ہے'' کی سرخیاں چمکتی رہی ہیں۔ اگست 2003ء میں بین الاقوامی ایٹمی ایجنسی نے انکشاف کیا کہ ایران میں یورینیم کی افزودگی کے سراغ ملے ہیں' جس کا مطلب یہ ہے کہ ایران ایٹم بم بنانے کی تیاری کر رہا ہے۔ 2004ء کی پہلی ششماہی امریکہ اور اُس کے حواریوں کی دھمکیوں میں گزری ہے۔ ایران نے بھی اب تک سخت مزاحمت کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیا ہے۔ OO

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NTN

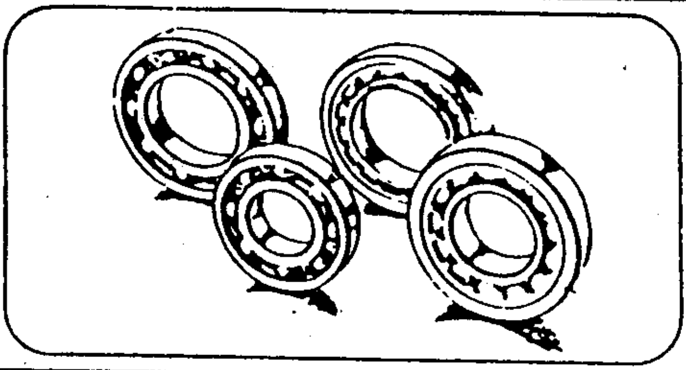

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box # 1178 *Phones* : 7732952 - 7730595 *Fax* : 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : *SIND BEARING AGENCY*, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING